اکابر دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر گجرات

ترتیب

برائے خط و کتابت: مولانا احسن خدامی صاحب
جامع مسجد برکت علی، مدینہ مارکیٹ، ذیلدار روڈ، اچھرہ، لاہور

رسالہ لگوانے کے لیے، نیز رسالہ نہ ملنے کی صورت میں رابطہ کریں
ترسیل ناظم: حافظ محمد طاہر، شیرانوالہ باغ، گوجرانوالہ 0306-6426001

بفیضان

قائد اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

بیاد

امام اہل سنت حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ
شیخ المشائخ، امام الاولیاء مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ
مفسر قرآن مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ
ترجمان اہل سنت حضرۃ مولانا نذیر اللہ خان رحمہ اللہ
فخر اہل سنت حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ
شہید اسلام حضرۃ مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ
امین ملت حضرۃ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ
پاسبان مسلک احناف، شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف رحمہ اللہ
وکیل صحابہ حضرۃ مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ
محقق اہل سنت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ

بدعا

وکیل صحابہ حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ
حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ

زیر سرپرستی

جانشین قائد اہل سنت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہ
جانشین فقیہ العصر مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہ
امام الصرف والنحو، نمونہ اسلاف مولانا محمد حسن مدظلہ
جانشین شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد مدظلہ

زیر نگرانی

جانشین امین ملت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہ

مجلس مشاورت

مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی — مولانا منظور احمد نعمانی
مولانا نور محمد تونسوی...... — مولانا قاری عبدالرحمٰن ضیاء
مولانا مفتی جمیل الرحمٰن...... — مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ
جناب اشتیاق احمد...... — مولانا مفتی رب نواز
مولانا ندیم الرشید...... — مولانا احمد طاہر

مدیر اعلیٰ: مولانا جمیل الرحمٰن عباسی۔ بہاولپور
مدیر مسئول: احسن خدامی 0333-8765602
مدیر: حمزہ احسانی 0307-5687800

فی شمارہ: 20......زر سالانہ: 240 روپے

پیامِ صفدر — مدیر مسئول کے قلم سے

تصویر بنانے کا گناہ

محترم جناب احسن خدامی صاحب مدیر مجلّہ صفدر! السلام علیکم!

گزارش ہے کہ ایک دینی ماہنامے کے سرِ ورق پر ایک صاحب کی تصویر شائع کی گئی (وہ شمارہ اس شخصیت کی یاد میں خاص نمبر تھا) بعض حضرات نے اس حرکت پر اعتراض کیا تو اس رسالہ کے رئیس التحریر صاحب نے جواباً فرمایا کہ:

''تصویر کے مسئلہ میں میرا رجحان امام محمدؒ کے قول کی طرف ہے جو موطا امام محمد میں مذکور ہے۔

امام محمدؒ کے قول کی عبارت یہ ہے۔

"عن عبد الله بن عتبة بن مسعود انه دخل على ابى طلحة الانصارى يعوده فوجد عنده سهل بن حنيف فدعا ابو طلحة انسانا لينزع نمطا تحة فقال سهل بن حنيف لِم تنزعه؟ قال لان فيه تصاويروقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ماقد علمت۔ قال سهل: اولم يقل الا ماكان رقمافى الثوب؟ قال بلى ولكنه اطيب لنفسى۔

قال محمد: وبهذا نا خذ، ماكان فيه من تصاوير من بساط او فراش يفرش او وسادة فلا باس بذالك۔ انما يكره من ذالك فى الستر ومامنصب نصباً وهو قول ابى حنيفة "وعامة فقهاء نا۔"

حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ وہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر گئے تاکہ ان کی عیادت کرسکیں تو وہاں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ حضرت ابوطلحہ انصاری نے ایک شخص کو بلایا تاکہ وہ ان کے نیچے سے بچھونے کو نکال دے۔ حضرت سہل نے پوچھا کہ یہ بچھونا کیوں اپنے نیچے سے نکلوا رہے ہیں؟ ابوطلحہ نے فرمایا: اس لیے کہ اس میں تصاویر ہیں اور ان تصاویر کے بارے میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ تمہیں معلوم ہے۔ حضرت سہل نے فرمایا کہ کیا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ: ''مگر وہ تصویر جو کپڑے پر نقش ہو''؟ (یعنی ایسی تصویر حرمت سے مستثنیٰ ہے۔) حضرت ابوطلحہ نے فرمایا کہ: یہ بات درست ہے، مگر میں اپنے لیے اسی کو پسند کرتا ہوں۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ: ہم اسی حدیث پر عمل کرتے ہیں، اس لیے جو تصویر بستر پر ہو یا چٹائی پر ہو یا تکیہ پر ہو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ پردے یا سامنے کھڑی کی جانے والی تصویر مکروہ ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ اور ہمارے جمہور فقہا کا موقف بھی یہی ہے۔'' [الشریعہ، اپریل ۲۰۱۱ء۔ص:۷]

پوچھنا یہ ہے کہ کیا واقعی امام محمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ تصویر کے جواز کے قائل ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ہمارے علماء اس کی کیوں مخالفت کرتے ہیں؟ کیا ایک دینی رسالے کے سرِ ورق پر کسی کی تصویر شائع کرنا درست ہے؟

والسلام...... محمد عابد، لاهور

الجواب: تصویر کی حرمت وکراہت متعدد احادیث میں وارد ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار اس کی اشاعت وقباحت سے امت کو آگاہ فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لا يدخل الملا ئكة بيتا فيه كلب ولا تصاوير (مشکوٰۃ)

ترجمہ: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصاویر ہوں۔ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تو اس میں انبیائے کرام، اولیائے کرام اور فرشتوں کے بت اور تصاویر رکھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہ تمام بت اور تصاویر مٹا دیئے جائیں۔ اور جب تک وہ سب مٹا نہیں دیئے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف میں داخل نہیں ہوئے۔ (ابوداؤد، کتاب اللباس)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اشد النّاس عذابا عندالله المصورون (مشکوۃ باب التصاویر)

ترجمہ: اللہ کے ہاں سب سے سخت ترین عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللذين يصغون الصور يعذبون يوم القيامة، يقال لهم، احيوا ماخلقتم (مسلم ج۲)

ترجمہ: جو لوگ تصاویر بناتے ہیں انہیں قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جو تم نے پیدا کیا ہے اس کو زندہ کرو۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (بخاری ج۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: فرماتی ہیں۔

''**دخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم وانا مستترة بقرام فيه صورة فتاون وجهه ثم تناول الستر فهتكه. ثم قال: ان من اشد الناس عذابا يوم القيامة اللذين يشبهون بخلق الله.**'' (مسلم ج۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میں ایک چادر میں لپٹی ہوئی تھی جس پر تصویر (نقش) تھی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہوگیا اور آپ نے اس چادر کو لیا پھر اسے پھاڑ ڈالا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' قیامت کے دن سب سے سخت عذاب والے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ (جل شانہ) کی تخلیق کی نقل کرتے ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں:

كل مصور فى النار. يجعل له صورة صورها نفسا فتعذبه فى جهنم.

(مسلم ج۲ صفحہ۲۲...... بخاری ج۲ صفحہ ۸۸۱)

میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود فرماتے ہوئے سنا کہ ہر تصویر بنانے والا جہنم میں ہوگا، اس نے جتنی تصویریں بنائی تھیں، ہر تصویر کے بدلے میں ایک روح پیدا کی جائے گی جو اسے دوزخ میں عذاب دے گی۔

ان احادیث مبارکہ سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ:

۱......تصویر بنانا لعنتیوں کا کام ہے۔

۲......قیامت والے دن سب سے سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔

۳......انہیں حکم دیا جائے گا کہ جو تم نے تصویریں بنائی ہیں ان میں جان ڈالو (جو وہ نہیں ڈال سکیں گے، لہٰذا عذاب میں رہیں گے)۔

۴......تصویروں کی موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں داخل ہونا پسند نہیں فرمایا۔

۵......بلکہ بیت اللہ میں بھی داخل ہونا گوارا نہ فرمایا جب تک وہ نکال نہ دی گئیں۔

اس ''دینی'' رسالے کے ذمہ دار صاحب نے امام محمدؒ کا جو حوالہ پیش کیا ہے اس کے بارے میں چند باتیں پیش خدمت ہیں:

۱...... امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ کا مذکورہ حوالہ صرف بنی ہوئی تصاویر کو باقی رکھنے کے بارے میں ہے۔ امام محمدؒ نے یہ کہاں فرمایا ہے کہ تکیہ یا فرش پر تصویر بنانا بھی جائز ہے؟ تصویر بنانا اور چیز ہے اور کسی کی بنی ہوئی تصویر کو گوارہ کرنا اور چیز ہے۔

مذکورہ ''دینی'' رسالے کے مدیرِ اعلیٰ صاحب کا اپنے رسالہ کے سرورق پر تصویر چھاپنا اور اس پر امام محمدؒ کے مذکورہ قول سے دلیل پکڑنا ظلمِ عظیم ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

''فصنعته حرام على كل حال. لان فيه مضاهاة لخلق الله. سواء كان في ثوب او بساط او درهم او دينار''......(ج۲صفحہ۳۹)

تصویر کا بنانا ہر حال میں حرام ہے، اس لیے کہ اس میں اللہ کی تخلیق کا مقابلہ ہے۔ برابر ہے کہ وہ تصویر کپڑے پر بنائی جائے یا فرش پر یا درہم پر یا دینار پر۔

۲...... امام محمدؒ کے قول میں جو یہ فرمایا گیا ہے ''کہ تصویر اگر فرش یا تکیہ پر ہو تو (اس کو باقی رکھنے میں) کوئی حرج نہیں۔صرف پردے پر یا سامنے کھڑی کی جانے والی تصویر منع ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ تصویر اگر کسی توہین وتذلیل والی جگہ پر ہو تو اسے باقی رکھنا درست ہے اور اگر اکرام وتعظیم کے مقام پر ہو تو اسے باقی رکھنا ہرگز درست نہیں۔اب جناب رئیس التحریر صاحب ہی فرمائیں کہ انہوں نے اپنے رسالہ کے سرورق پر جو تصویر چھاپی ہے وہ تعظیم کیلئے چھاپی ہے یا توہین کیلئے؟

کیا موصوف اس تصویر کو روندنے یا چلنے کے مقامات پر نقش کرنا مناسب خیال فرماتے ہیں؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر امام محمدؒ کے اس قول سے استدلال کس بنیاد پر؟ افسوس کہ جو صاحب اتنی سمجھ بھی نہیں رکھتے کہ جو بات میں نقل کر رہا ہوں وہ میری تائید میں ہے یا تردید میں، وہ بھی ایک ''دینی'' رسالے کی ادارات کے منصب پر براجمان ہیں اور علانیہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی خلاف ورزی کر کے ضلوا فاضلوا کا مصداق بن رہے ہیں۔

۳...... موصوف فرماتے ہیں: ''لیکن چونکہ پاکستان کے جمہور علمائے احناف کا رجحان تصویر کے مطلقاً عدمِ جواز کی طرف ہے..........الخ''

مدیر اعلیٰ صاحب نے یہ عقدہ حل نہیں فرمایا کہ جب امام محمدؒ، امام ابوحنیفہؒ، اور جمہور فقہاء کا قول ان کے خیال کے مطابق اس تصویر کے جواز کا ہے تو پاکستان (بلکہ برصغیر پاک و ہند کے تمام علمائے حق، علمائے دیوبند) کے احناف کا رجحان اس کے عدم جواز کی طرف کیوں ہے؟ کیا یہ سب علمائے احناف امام محمدؒ و امام ابوحنیفہؒ کی بات کو سمجھے نہیں، یا سمجھنے کے باوجود ماننے سے انکاری ہیں؟ اور ان مقلدین احناف کی خاص اس مسئلہ میں اپنے ائمہ کی تقلید سے انکار کی وجہ کیا ہے؟ امام محمدؒ کی نقل کردہ دلیل ان تک پہنچی نہیں یا اس کے مقابلے میں اس سے زیادہ قوی دلیل ان کے پاس موجود ہے؟ اگر اس دلیل سے بڑی دلیل ان پاکستان کے علمائے احناف کے پاس موجود ہے تو جناب صاحب نے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ اور اگر محض ضد کی بنا پر یہ امام محمدؒ کی بات کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں تو اس ضد اور تعصب کی وجہ؟ اور ایسے ضدی اور متعصب ''علمائے احناف'' کی تقلید اور ان کی رائے کے احترام کا حضرت رئیس التحریر صاحب کے پاس کیا جواز ہے؟

تصویر بنوانے والے امام مسجد کے بارے میں مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا فتویٰ:

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے اس امام کے بارے میں استفتاء کیا گیا جو مسجد میں تصویر کھینچواتا ہے تو آپؒ نے جواب میں فرمایا:

''تصویریں بنانا خصوصاً مسجد کو اس گندگی کے ساتھ ملوث کرنا حرام اور سخت گناہ ہے۔ اگر یہ حضرات اس سے علانیہ توبہ کا اعلان کریں اور اپنی غلطی کا اقرار کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں تو ٹھیک، ورنہ ان حافظ صاحب کو امامت و تدریس سے الگ کر دیا جائے، ان کے پیچھے نماز ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے''۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل......طبع ۲۰۱۱ء ج ۸ صفحہ ۴۵۶)

لہٰذا اس فتویٰ کی روشنی میں اول ان صاحب سے عرض ہے کہ وہ اپنی اس جسارت سے علانیہ توبہ کریں، آئندہ اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کیلئے ائمہ اسلام کے اقوال کو آڑ بنانے سے گریز کریں، اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو اس ''دینی'' رسالے کے منتظمین انہیں رسالے کی ادارت سے الگ کر دیں۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنا حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے فتویٰ کی رو سے ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے۔ فقط......احسن خدامی

مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد مدظلہم

مسجد اقصی کی تولیت اور عمار خان کی یہود نوازی

(دوسری......اور......آخری قسط)

یہودیوں کی ہمدردی میں عمار خان کی زوردار وکالت

عمار خان کو یہودیوں کا اتنا غم ہے کہ مسجد اقصیٰ کی تولیت کو جب مجبوری سے مسلمانوں کا قانونی وشرعی حق مان لیا تو اب اخلاقیات کے پہلو کا سہارا لیا اور یوں لکھا:

''تاہم (شرعی۔ناقل) قانونی پہلو کو اس معاملے کا واحد قابل لحاظ پہلو سمجھنے کے عام نقطہ نظر سے ہمیں اختلاف ہے اور زیر نظر تحریر میں ہم اسی نکتے کی توضیح کرنا چاہتے ہیں۔

ہماری رائے یہ ہے کہ اس نوعیت کے مذہبی تنازعات میں قران وسنت کی رو سے اصل قابل لحاظ چیز جس کی رعایت مسلمانوں کو لازماً کرنی چاہیے وہ اخلاقی پہلو ہے''۔(براہین:246)

۔۔۔۔ہر شخص یہ ماننے پر مجبور ہوگا کہ مسجد اقصیٰ کے معاملے میں کوئی فیصلہ کرنے کے لیے اصل معیار کی حیثیت محض قانون اور واقعاتی استحقاق کو نہیں بلکہ ان اعلیٰ اخلاقی اصولوں کو حاصل ہونی چاہیے جن کی رعایت کی تلقین اسلام نے اہل کتاب کے حوالے سے کی ہے۔عام مذہبی اخلاقیات کا بھی یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ عبادت گاہوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے لیے جس چیز کو سب سے بڑھ کر رکھا جانا چاہیے وہ خود اہل مذہب کے اعتقادات اور ان کا مذہبی قانون ہے۔(عمار خان کی فنکاری دیکھئے۔ کہتے ہیں کہ مسلمان اپنے مذہبی قانون کو چھوڑ کر اخلاقیات پر عمل کرتے ہوئے یہودیوں کے مذہبی قانون کا سب سے بڑھ کر لحاظ رکھیں۔عبدالواحد) اس اصول کی روشنی میں زیر بحث معاملے کی نوعیت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ حسب ذیل حقائق پیش نظر رہیں:

ایک یہ کہ مسجد اقصیٰ کی حیثیت یہود کے نزدیک کسی عام عبادت گاہ کی نہیں بلکہ وہی ہے جو مسلمانوں کے نزدیک مسجد حرام اور مسجد نبوی کی ہے۔مسلمان اپنی عام عبادت گاہوں کے برخلاف ان دونوں مساجد کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اگر خدانخواستہ کبھی وہ ان کے ہاتھ سے چھن جائیں اور کسی دوسرے مذہب کے پیروکار اسے اپنی مذہبی یا دنیاوی سرگرمی کا مرکز بنالیں تو ان پر سے مسلمانوں کا حق ختم ہوجائے گا۔اپنے قبلے کے بارے میں یہ احساسات و جذبات دنیا کے تمام مذاہب کے ماننے والوں میں پائے جاتے ہیں۔ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی عبادت گاہوں کے حوالے

سے مانا جانے والا یہ اصول عدل وانصاف کی رو سے دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کے لیے بھی تسلیم کیا جانا چاہیے۔

دوسرے یہ کہ ہیکل سلیمانی کو یہود نے اپنے اختیار اور ارادے سے ویران نہیں کیا بلکہ اس کی بربادی اور حرمت کی پامالی ایک حملہ آور بادشاہ کے ہاتھوں ہوئی جس نے جبرا یہود کو یہاں سے بے دخل کر کے اس عبادت گاہ کے ساتھ ان کے تعلق کو منقطع کر دیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان پر یہ ذلت و رسوائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کے طور پر مسلط ہوئی لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ یہ چیز تکوینی امور میں سے ہے جو اپنی نوعیت اور حیثیت کے لحاظ سے ہمارے لیے قابل اتباع نہیں ہیں۔ چنانچہ اس دائرے کے امور کو نہ کسی شرعی حکم کے استنباط کے لیے ماخذ بنایا جا سکتا ہے اور نہ کسی طرز عمل کے لیے دلیل۔

تیسرے یہ کہ اس عبادت گاہ کے ساتھ قوم یہود کی قلبی وابستگی اور اس کی بازیابی کے لیے ان کی تمناؤں اور امیدوں کی تصویر خود مولانا مودودی نے یوں پیش کی ہے:

دو ہزار برس سے دنیا بھر کے یہودی ہفتے میں چار مرتبہ یہ دعائیں مانگتے رہے ہیں کہ بیت المقدس پھر ہمارے ہاتھ آئے اور ہم ہیکل سلیمانی کو پھر تعمیر کریں۔ ہر یہودی گھر میں مذہبی تقریبات کے موقع پر اس تاریخ کا پورا ڈراما کھیلا جاتا رہا ہے کہ ہم مصر سے کس طرح نکلے اور فلسطین میں کس طرح سے آباد ہوئے اور کیسے بابل والے ہم کو لے گئے اور ہم کس طرح سے فلسطین سے نکالے گئے اور تتر بتر ہوئے۔ اس طرح یہودیوں کے بچے بچے کے دماغ میں یہ بات ۲۰ صدیوں سے بٹھائی جا رہی ہے کہ فلسطین تمہارا ہے اور تمہیں واپس ملنا ہے اور تمہارا مقصد زندگی یہ ہے کہ تم بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کو پھر تعمیر کرو۔ بارہویں صدی کے مشہور یہودی فلسفی موسیٰ بن میمون (Maimonides) نے اپنی کتاب شریعت یہود (The Code of Jewish Law) میں صاف صاف لکھا ہے کہ ہر یہودی نسل کا یہ فرض ہے کہ وہ بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کو از سر نو تعمیر کرے۔۔۔''

چوتھے یہ کہ یہودیوں کی بہت سے عباداتی رسوم بالخصوص قربانیاں ایسی ہیں جو ان کے مذہبی قانون کے مطابق ہیکل کے ساتھ مخصوص ہیں اور اس کے بغیر ان کی ادائیگی فقہی لحاظ سے درست نہیں ہے۔ گویا مسجد اقصیٰ سے ان کو روکنا محض ایک عبادت گاہ سے محروم رکھنے کا معاملہ نہیں، بلکہ ان کے اپنی مذہبی رسوم کو بجالانے کے حق کی نفی کو بھی مستلزم ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جس مرکز عبادت سے اہل مذہب کو اس کی شدید ترین بے حرمتی کرنے کے بعد بے دخل کر دیا گیا ہو، جن کے مذہبی قانون میں اس کی تولیت کی ذمہ داری کسی دوسرے گروہ کے سپرد کرنے کی ممانعت کی گئی ہو اور اس کو دوبارہ بحال کرنے کے لیے ان کے مذہبی جذبات کا عالم یہ ہو ۔۔۔ اس کے بارے میں اس استدلال کی عقل و اخلاق اور دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں کیا

حیثیت ہوگی۔ چونکہ ہم نے اہل مذہب کی غیر موجودگی میں اس مقام پر عمارت تعمیر کر لی ہے اور صدیوں سے اس میں عبادت کرتے چلے آرہے ہیں اس لیے اس کے حوالے سے ان کے تمام حقوق بیک قلم منسوخ ہوگئے ہیں؟ کیا اسی کھوئے ہوئے مرکز عبادت میں از سر نو جمع ہونے اور اس میں سلسلہ عبادت کے احیاء کا جذبہ فی الواقع ایسا ہی قابل نفرت ہے کہ اسے یوں بے وقعت کرنے کی کوشش کی جائے؟ کیا اگر خاکم بدہن یہود کے بجائے یہ صورت حال مسلمانوں کو درپیش ہوتی تو بھی وہ اس قسم کے استدلالات سے مطمئن ہو کر اپنے قبلے سے دست بردار ہو جاتے''۔(براہین:336, 344)

عمار خان کی مزید کچھ عبارتیں ملاحظہ ہوں اور یہود جیسی مبغوض قوم کے لیے ان کے درد دل کی داد دیجئے۔عمار خان لکھتے ہیں:

''لیکن ہمیں اس بات کو ماننے میں شدید تردد ہے کہ (شرعی قانونی حق کا) یہ موقف اس اعلی اخلاقی معیار کے ساتھ بھی مطابقت رکھتا ہے جس کی تعلیم اہل کتاب اور ان کی عبادت گاہوں کے متعلق اسلام نے دی ہے۔ قانون کے بارے میں ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ اس کی غرض اعلی اخلاقیات کے فروغ سے نہیں بلکہ نزاعات کے تصفیے سے ہوتی ہے۔اس عملی زاویہ نگاہ کے باعث بعض دفعہ ایک قانونی فیصلے میں ان بلند تر اور آئیڈیل اخلاقی تصورات کو نظر انداز کرتے ہوئے جن کی پاسداری ایک فریق کو محض یک طرفہ طور پر (Unilaterally) کرنی چاہیے اخلاقیات کے اس کم سے کم درجے کو بنیاد بنا لیا جاتا ہے جس کی پابندی پر فریقین کو مجبور کیا جا سکے۔اور یہ صورت اس لیے اختیار کی جاتی ہے تاکہ کم سے کم عملی الجھنوں کو سلجھانا پڑے۔۔۔۔

اخلاقیات کا اس سے بلند تر درجہ یہ ہے کہ اپنے حق کے تحفظ کے ساتھ ساتھ دوسرے فریق کے جذبات واحساسات کو بھی ہمدردی کی نگاہ سے دیکھے اور کوئی قانونی جبر نہ ہو تو بھی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے حق میں دوسرے فریق کو شریک کر لے۔

یہی صورت حال احاطہ ہیکل کی تولیت کے معاملے کی ہے۔۔۔لیکن اخلاقیات کا اس سے ایک برتر درجہ بھی ہے جس کی تعلیم قرآن مجید نے خاص طور پر عبادت گاہوں کے حوالے سے دی ہے اور وہ یہ کہ خدا کی عبادت چونکہ نیکی اور تقویٰ کا عمل ہے اس لیے کسی گروہ کو اس کی عبادت گاہ میں جو اس کے روحانی وقلبی جذبات کا مرکز ہے عبادت کرنے سے نہ روکا جائے بالخصوص جبکہ وہاں سے اس کی بے دخلی ظلماً وقہراً اور مذہبی واخلاقی اصولوں کی پامالی کے نتیجے میں آئی ہو''۔(براہین:327, 326)

عمار خان کی اس طویل عبارت کے نکات

۱۔مسلمانوں کو اس مسئلے میں اخلاقی پہلو کی رعایت کرنا لازم ہے۔

۲۔عبادت گاہوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے میں جس چیز کو سب سے بڑھ کر رکھنا چاہیے وہ خود اہل مذہب کے اعتقادات اوران کا مذہبی قانون ہے۔

۳۔یہود پر یہ ذلت ورسوائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کے طور پر مسلط ہوئی لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ یہ چیز تکوینی امور میں سے ہے جو اپنی نوعیت اور حیثیت کے لحاظ سے ہمارے لیے قابل اتباع نہیں ہیں۔

۴۔یہود کے مذہبی قانون میں اس کی تولیت کی ذمہ داری کسی دوسرے گروہ کے سپرد کرنے کی ممانعت ہے۔

۵۔اخلاقیات کا اس سے بلند تر درجہ یہ ہے کہ اپنے حق کے تحفظ کے ساتھ ساتھ دوسرے فریق کے جذبات واحساسات کو بھی ہمدردی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

ان نکات کے جواب سے پہلے قوم یہود کے بارے میں قران کا فیصلہ پڑھیے۔

قوم یہود کے بارے میں قران کا فیصلہ

عمار خان جس قوم کے غم میں مارے جارہے ہیں اس کا حال قران پاک کیا بتاتا ہے اس کو دیکھئے:

(i) و ضربت عليهم الذلة و المسكنة و باء وا بغضب من الله ذلك بانهم كانوا يكفرون بايات الله و يقتلون النبيين بغير الحق ذلك بما عصوا و كانوا يعتدون. (سورہ بقرہ: 61)

ترجمہ:اور ڈال دی گئی ان پر ذلت اورمحتاجی اور پھرے وہ اللہ کا غصہ لے کر۔یہ اس لیے ہوا کہ وہ احکام الہیہ کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے۔اور(خود احکام الہیہ کا انکار کرنا اور انبیاء کو قتل کرنا)اس وجہ سے تھے کہ وہ نافرمان تھے اور حد شرع سے نکلتے تھے۔

(ii)ضربت عليهم الذلة اين ما ثقفوا الا بحبل من الله و حبل من الناس و باء وا بغضب من الله و ضربت عليهم المسكنة ذلك بانهم كانوا يكفرون بايات الله و يقتلون الانبياء بغير حق ذلك بما عصوا و كانوا يعتدون.

ترجمہ:ڈال دی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں پائے جائیں الا یہ کہ ان کو عہد حاصل ہو اللہ سے اور عہد حاصل ہو لوگوں سے اور لوٹے اللہ کے غضب کے ساتھ اور ڈال دی گئی ان پر محتاجی۔یہ اس وجہ سے کہ وہ احکام الہیہ کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے اور(خود ان کا خدائی احکام کا انکار کرنا اور انبیاء کو قتل کرنا)یہ اس وجہ سے تھا کہ وہ نافرمان تھے اور حد شرع سے نکلتے تھے۔

(حبل من الله)سے مراد اسلام قبول کرنا اور(حبل من الناس)سے مراد ہے لوگوں سے معاہدہ کرنا، مسلمانوں سے کریں تو ذمی بن جائیں گے اور اس طرح جان و مال کی حفاظت حاصل کریں گے اور کافروں سے کریں تو ایسا ہوگا جیسا کہ اسرائیل کی ریاست ہے کہ امریکہ اور یورپ کی اسے مکمل سرپرستی حاصل ہے۔

عمار خان کے مذکور پانچ نکات کا مجموعی جواب

(i) بیت المقدس جب تک مسلمانوں کے قبضے میں تھا مسجد اقصیٰ کی تولیت مسلمانوں کی حکومت کو حاصل تھی کیونکہ مسجد اقصیٰ یا ہیکل سلیمانی حکومتی وقف تھا کسی عام وخاص کا ذاتی کیا ہوا وقف نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہیکل حضرت سلیمان علیہ السلام نے حاکم ہونے کی حیثیت سے بنوایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب بیت المقدس صلح کے طریقے سے فتح ہوا تو ظاہر ہے کہ حکومتی وقف پورا کا پورا مسلمان حکومت کو منتقل ہوا۔

اب کیا مسلمان حکومت ایک قومی اور حکومتی وقف کو ایسی قوم کی تولیت میں دے کر اس کا اجتماعی وقومی حیثیت سے اکرام کرے جس پر قومی اور اجتماعی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ کا غصہ اور پھٹکار رہے۔ یہ بات نہ تو قانون وشریعت کے اعتبار سے جائز ہے اور نہ ہی اخلاقیات کے قبیل سے جائز ہے اور نہ ہی وقف کے تحفظ کے اعتبار سے جائز ہے کیونکہ قران پاک نے یہ بات صراحت سے بتادی کہ قوم یہود مجموعی اعتبار سے نافرمان اور سرکش قوم ہے۔ نافرمان اور سرکش ہونے کی وجہ سے اس نے احکام الٰہیہ کا انکار کیا اور انبیاء تک کو قتل کیا اور قران نے اس بات کو کہیں ذکر نہیں کیا کہ یہود اپنی سرکشی اور نافرمانی کی صفت چھوڑ چکے ہیں۔ تو یہودی قوم وقف کا کیا احترام کرے گی۔ اس کو تو وہ مسجد ضرار یعنی اپنی سازشوں کا مرکز بنالے گی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے مدینہ منورہ میں آباد یہودیوں کی سازشیں اور ان کی بدخصلتیں آنکھوں دیکھی بات تھی اس لیے ان کا مسجد اقصیٰ یا ہیکل سلیمانی میں یہود کی تولیت کا لحاظ نہ کرنا مسلمانوں کے لیے ایک بڑی شرعی دلیل ہے۔

(ii) ہیکل سلیمانی حضرت سلیمان علیہ السلام نے خالص اللہ تعالیٰ کے لیے بنایا تھا۔ ۷۰ عیسوی میں اپنی سرکشیوں کی وجہ سے یہود جلا وطن بھی کیے گئے اور عبادت گاہ بھی منہدم کردی گئی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ دونوں کی رسالت کو تسلیم نہ کیا اور کافر اور مغضوب ہوئے۔ اس طرح وہ ایک نبی کی بنائی ہوئی عبادت گاہ کو آباد کرنے اور وقف فی سبیل اللہ کا انتظام کرنے کے اہل نہ رہے۔ ویسے بھی ۷۰ء کے بعد وہ اکٹھے نہ ہوسکے اور تتر بتر رہے۔ تقریباً دو ہزار سال تک وہ اس حالت میں رہے۔ ان کے برعکس مسلمان اللہ کے دین پر تھے اور وقف کے انتظام کرنے کی اور عبادت گاہ کو آباد کرنے کی اہلیت وصلاحیت ان میں پوری پوری تھی اور انہوں نے ایسا کیا بھی۔ خود عمار خان نے ان الفاظ میں اس بات کا اعتراف کیا:

''مسلمانوں نے اس وقت اس عبادت گاہ کو آباد کیا جب یہود ونصاریٰ کی باہمی آویزشوں کے نتیجے میں یہ ویران پڑی تھی۔ ان کا یہ عمل تمام مذہبی، عقلی اور اخلاقی معیارات کے مطابق ایک نہایت

اعلیٰ روحانی اور مبارک عمل ہے جس پر وہ جتنا بھی فخر کریں کم ہے''۔(براہین:245)

دنیا بھر کی اخلاقیات کبھی یہ نہ کہیں گی کہ جو وقف اللہ تعالیٰ کے مخلص اور فرمانبردار نبی نے قائم کیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کو جو کہ حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کر کے کافر بھی ہو چکے، دے دیا جائے بلکہ یہ کہیں گی کہ اسکے اہل تو اب وہ لوگ ہیں جو ان نبی کی طرح اللہ تعالیٰ کے سچے اور مخلص بندے ہیں اور اللہ کے بھیجے ہوئے رسول کے سچے پیروکار ہیں۔

(iii) یہود کی ذلت ورسوائی جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے سزا کے طور پر ان کو ملی عمار خان اس کو تکوینی امور میں سے شمار کرتے ہیں یعنی ایسے جیسے کوئی قدرتی حادثہ پیش آ جائے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ سزا ہو یا حادثہ دونوں تکوینی امور میں سے ہیں لیکن دونوں میں یہ فرق ہے کہ سزا کا وقوع صرف شریعت کی مخالفت پر ہوتا ہے۔ جب خود قران نے بتایا کہ یہود کو شریعت کی نافرمانی اور سرکشی کی سزا ملی تو اس کو محض ایک حادثہ نہیں کہہ سکتے اور جبکہ یہودیوں نے اس سے توبہ بھی نہیں کی تو وہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ و نااہل ہیں۔

(iv) رہی یہ بات کہ یہود کے مذہبی قانون میں ہیکل سلیمانی کی تولیت کی ذمہ داری کسی دوسرے گروہ کے سپرد کرنے کی ممانعت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ۷۰ء کے بعد دو ہزار سال تک بیت المقدس میں نہ یہودی رہے اور نہ ہیکل رہا۔ وہ تو خود بھی برباد ہوئے اور انہوں نے اپنی سرکشیوں کی بدولت ہیکل کو بھی برباد کرایا۔ مسلمان اگر اس وقف عبادت گاہ کے متولی بنے تو ایسا اللہ کے کرنے سے اور اپنی شریعت اور اپنے مذہبی قانون کے ذریعے سے بنے جبکہ یہود کا مذہبی قانون اسلامی شریعت سے منسوخ ہو چکا تھا۔

(v) حکومت کے فیصلوں میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ پبلک کے مفاد میں ہیں یا نہیں اور جو فیصلے وقف سے متعلق ہوں ان میں وقف کا مفاد ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ وہاں اخلاقیات کو معیار نہیں بنایا جاتا۔ اخلاقیات کا دائرہ نجی معاملات میں محدود ہوتا ہے۔

یہود کے غم میں عمار خان کی چند اور لڑھکنیاں

پہلی لڑھکنی

(i) سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

و قضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین و لتعلن علوا کبیرا فاذا جاء وعد اولھما بعثنا علیکم عبادا لنا اولی باس شدید فجاسوا خلال الدیار وکان وعدا مفعولا. ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم و امددناکم باموال و بنین و جعلناکم اکثر نفیرا. ان احسنتم احسنتم لانفسکم و ان اساتم فلھا فاذا جاء وعد الآخرۃ لیسوء وا وجوھکم و

لیدخلوا المسجد کما دخلوہ اول مرۃ و لیتبروا ما علوا تتبیرا.

(ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائل کی طرف تقدیری کتاب میں طے کر دیا تھا کہ اے بنی اسرائیل! تم اپنی نافرمانی کے سبب زمین میں دو بار ضرور فساد کرو گے اور ضرور بڑی سرکشی کرو گے اور اس کی پاداش میں تم کو ہر مرتبہ سخت عذاب کا سامنا ہوگا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا جس کی تفصیل یہ ہے کہ پھر جب ان دو میں سے پہلا وعدہ پورا ہونے کا وقت تو 587 قبل مسیح میں ہم نے بخت نصر کی سرکردگی میں اپنے سخت جنگجو بندے تم پر مسلط کر دیے جنہوں نے تمہیں شکست دی پھر وہ تمہارے شہروں میں گھروں کے اندر گھس گئے اور سخت قتل و غارت کی اور خدا کا وہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا۔ پھر جب تم تائب اور نادم ہوئے تو ہم نے ان پر تمہارا غلبہ لوٹا دیا اور اموال و نرینہ اولاد سے تمہاری مدد کی اور ہم نے تم کو تعداد اور نفری میں بہت زیادہ کر دیا۔۔۔۔۔ پھر جب تم نے دوبارہ فساد برپا کیا تو ہمارے عذاب کا دوسرا وعدہ آیا اور ٹائٹس رومی کی قیادت میں ہم نے اپنے دوسرے جنگجو بندے تم پر مسلط کیے تاکہ وہ تمہیں مار مار کر تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور تاکہ وہ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوں اور اس کو وہ بے حرمت و برباد کریں جیسا کہ دشمن اس میں پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے اور اس کی بے حرمتی کی تھی اور تاکہ جہاں جہاں وہ غلبہ پائیں سب کچھ تباہ و برباد کر دیں۔ (یہ ترجمہ کچھ وضاحتوں کے ساتھ ہے)

دو بربادیوں کے مذکورہ بالا مضمون کے بعد قرآن پاک میں ارشاد ہے:

عسی ربکم ان یرحمکم و ان عدتم عدنا

ترجمہ: شاید کہ تمہارا رب تم پر مہربانی کرے جس کی صورت یہ ہے کہ تم حضرت محمد ﷺ کے تابع ہو جاؤ۔ ان کے تابع اور امتی ہو کر تم دوبارہ سلطنت اور غلبہ حاصل کر لو گے۔ اور اگر تم پھر وہی شرارت اور فساد کرو گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ دنیا میں سزا و عذاب کا وہی معاملہ کریں گے)۔

اس آیت کا جو مطلب ہم نے ذکر کیا ہے یہی صحیح ہے کیونکہ ان پر ہمیشہ کے لیے خدا کا غضب ہو چکا تھا اور ہمیشہ کے لیے ان پر ذلت اور مسکنت مار دی گئی تھی۔ اس شدید سزا سے نکلنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے پورے عالم کے لیے مبعوث حضرت محمد ﷺ کی نبوت کو تسلیم کر لو اور اسلام قبول کر لو تو اہل اسلام جب بیت المقدس کو فتح کریں گے تو دیگر مسلمانوں کی طرح تم بھی فاتح اور غالب کہلاؤ گے۔ اور اگر تم پھر بھی اپنی سرکشی میں مبتلا رہو گے اور ان کی نبوت کو تسلیم نہ کرو گے تو ہم تم کو عذاب میں مبتلا کیے رکھیں گے۔

لیکن عمار خان نے مدعی سست گواہ چست کے رویہ کو اختیار کیا اور یہود کی خاطر اس آیت کا مطلب تک

بدل دیا اور لکھتے ہیں:

''یعنی قرآن مجید واقعہ اسراء کے بعد بھی اس بات کا امکان تسلیم کرتا ہے کہ اللہ کی رحمت سے یہود کو (یہودی رہتے ہوئے۔ ناقل) دوبارہ اپنے مرکز عبادت کی بازیابی اور اس میں سلسلہ عبادت کے احیاء کا موقع ملے اگرچہ یہ موقع بھی پہلے مواقع کی طرح اطاعت اور حسن کردار کے ساتھ مشروط ہوگا''۔ (براہین:402)

ہم کہتے ہیں:

(i) بھلا بتایئے واقعہ اسراء کے بعد یعنی حضرت محمد ﷺ کی عالمی نبوت و رسالت کے ظاہر ہونے کے بعد آپ ﷺ پر ایمان لائے بغیر کونسی عبادت، کونسی اطاعت اور کونسا حسن کردار مقبول ہے۔

(ii) سورہ بنی اسرائیل میں بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کے عروج و زوال کے جو دو واقعات ذکر ہوئے وہ یہودیوں کی حکومت کے زمانے کے تھے۔ یعنی وہ آزاد تھے اور ان کی حکومت قائم تھی۔ پہلی دفعہ کے بعد بھی ان کو آزادی ملی اور ارض مقدس میں ان کی حکومت بنی اور انہوں نے اس دوران بیت المقدس میں تباہ شدہ ہیکل سلیمانی کی جگہ پر ایک نئی عبادت گاہ تعمیر کی۔ پھر دوسری مرتبہ بھی سرکشی کی تو رومیوں نے ان کی عبادت گاہ کو بھی برباد کیا اور یہودیوں کو بھی وہاں سے جلاوطن کیا۔ پھر واقعہ اسراء کے بعد قرآن پاک نے کہا شاید کہ تمہارا رب تم پر رحمت کرے۔ عمار خان کے اخذ کردہ مطلب کو لیں تو سیاق و سباق سے یہ مطلب نکلے گا کہ توقع ہے کہ تمہارا رب تم کو دوبارہ ارض مقدس کی حکمرانی دیدے اور یہ اس کی یہودیوں پر رحمت کا مظہر ہوگی۔ اب دیکھئے یہودیوں کو تقریباً دو ہزار سال کے بعد عیسائیوں کی مدد سے حکومت ملی ہے اور اس کی بقاء بھی عیسائیوں کے طفیل ہے۔ اسرائیل کی ریاست کو عمار خان اور ان کے استاد جاوید غامدی کے علاوہ شاید کوئی بھی رحمت الٰہیہ نہ کہہ سکے۔

عمار خان نے آیت کا جو مطلب لیا ہے نہ جانے کیوں انہوں نے اس کو صرف ہیکل سلیمانی یا مسجد اقصیٰ کی تولیت تک محدود رکھا ہے پورے بیت المقدس پر منطبق نہیں کیا (یعنی انہوں نے کہا کہ اللہ کی رحمت سے یہود کو دوبارہ اپنے مرکز عبادت کی بازیابی کا اور اس میں سلسلہ عبادت کے احیاء کا موقع ملا حالانکہ ان کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ پچھلے دو موقعوں کی طرح اللہ اپنی رحمت سے پھر ان کو بیت المقدس پر حکومت و آزادی عطا فرمائے جو کہ اسرائیل کی صورت میں انہیں مل گئی)۔ شاید یہ ان کی جانب سے تقیہ پر عمل ہو۔ بہر حال ایک طرف یہودیوں کی حکومت کو سامنے رکھئے اور دوسری طرف عمار خان کی یہودیوں کے لیے دردمندی دیکھئے۔ لکھتے ہیں:

''مرکز عبادت اور قبلہ کی حیثیت رکھنے والے مقام کے احترام اور اس کے ساتھ وابستگی کی جو کیفیت مذاہب عالم کے ماننے والوں میں پائی جاتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اسی طرح یہود کی

شریعت میں ہیکل کے مقام وحیثیت، اس کی تباہی و بربادی پر ان کے دلوں میں ذلت ورسوائی کے احساسات اور اس کی بازیابی کے حوالے ان کے سینوں میں صدیوں سے تڑپنے والے مذہبی جذبات بھی ایک مسلمہ حقیقت ہیں۔ یہ ایک نہایت اعلیٰ، مبارک اور فطری جذبہ ہے اور خود قران مجید یہود سے ان کے اس مرکز عبادت چھن جانے کی وجہ ان کے اخلاقی جرائم کو قرار دینے کے ساتھ ساتھ اس امکان کو بھی صراحتاً تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور ان کی آزمائش کے لیے اس مرکز کو دوبارہ ان کے تصرف میں دے دے''۔(براہین:400)

<u>دوسری لڑھکنی</u>

پہلے عمار خان کی یہ بات نقل ہوچکی ہے کہ احاطہء ہیکل پر قانون وشریعت کے اعتبار سے تولیت مسلمانوں کی ہے البتہ اخلاقیات کے اعتبار سے اس پر تولیت یہود کا حق ہے۔اب وہ اس سے بھی پھر گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے احاطہء ہیکل پر جو قبضہ کیا اور اس میں مسجد کی تعمیر کی تو اپنا حق جان کر نہیں کی بلکہ یہودیوں کی امانت کے طور پر کی۔عمار خان لکھتے ہیں:

''۶۳۸ء میں فتح بیت المقدس کے بعد مسلمانوں نے اس نہایت مقدس اور فضیلت والی عبادت گاہ کو جو صدیوں سے ویران پڑی ہوئی تھی آباد اور تعمیر کیا۔قران وسنت کی اصولی تعلیمات (جو کہ عام طور سے غامدی وعمار خان کی اختراعی ہیں ان) کی روشنی میں مسلمانوں کے اس اقدام کی نوعیت خالصتاً احترام وتقدیس اور تکریم وتعظیم کی تھی نہ کہ استحقاق اور استیثار کی (یعنی نہ کہ اپنا حق جتانے کی اور اس کو ترجیح دینے کی)۔اس کی تولیت کی ذمہ داری انہوں نے یہود کو اس سے بے دخل کر کے اس پر اپنا حق جتانے کے تصور کے تحت نہیں بلکہ ان کی غیر موجودگی میں محض امانتاً اٹھائی تھی'' (جو امریکہ اور برطانیہ وغیرہ کے کندھوں پر سوار ہو کر فلسطین میں آنے والے یہودیوں کو 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں واپس کردی اور 13 صدیوں تک امانت کا بوجھ اٹھانے والے مسلمانوں نے سکھ کا سانس لیا کہ حق بحقدار رسید لیکن اس میں عمار خان کے کہے کے مطابق اب مسلم وقف نے غیر اخلاقی رویہ اپنایا ہوا ہے۔ عبدالواحد)۔(براہین:400, 399)

<u>تیسری لڑھکنی</u>

موجودہ مسجد اقصیٰ اور اس کے احاطے (جس کو عمار خان پورے تسلسل کے ساتھ احاطہ ہیکل کہتے ہیں) کے بارے میں عمار خان ایک موقف پر قائم نہیں رہے کبھی اِدھر لڑھکتے ہیں اور کبھی اُدھر۔دیکھئے وہ لکھتے ہیں:

1۔''جہاں تک قانونی پہلو کا تعلق ہے اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے اس دعوائے تولیت کو ایک عملی ترجیح حاصل ہے۔۔۔۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احاطہء ہیکل کے اندر جنوبی جانب میں نماز

پڑھنے کے لیے ایک جگہ مخصوص کردی''۔(براہین:245)

2۔''لیکن (مسلمانوں کو) موجودہ مسجد اقصیٰ کے علاوہ پورے احاطہ ہیکل کی تولیت اور تصرف کا حق جتانے اور یہودیوں کے حق کی کلیتاً نفی کرنے کا دینی و تاریخی لحاظ سے نہ کوئی جواز ہے اور نہ ضرورت ہے''۔(براہین:396)

3۔''مسلمانوں نے یہود کی غیر موجودگی میں محض امانتاً اٹھائی تھی''۔(براہین:400)

دیکھئے پہلے عمار خان نے یہ دعویٰ کیا کہ قانونی پہلو سے مسلمانوں کو تولیت وتصرف کرنے کا حق تھا اور ظاہر یہی ہے کہ یہاں قانون سے مراد شریعت کا قانون ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی قانون کو دیکھتے ہوئے احاطے کے اندر مسجد مقرر کی۔ لیکن پھر پینترا بدلتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ احاطہء ہیکل کی تولیت و تصرف کا حق دینی لحاظ سے مسلمانوں کو نہیں ہے بلکہ مسلمانوں نے احاطے کی تولیت یہود کی امانت کے طور پر اٹھائی تھی۔ عمار خان کے اس دعوے سے یہ لازم آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احاطے میں مسجد مقرر کر کے امانت میں خیانت کی۔

چوتھی لڑھکنی

1۔عمار خان ایک طرف یہ کہتے ہیں کہ ہیکل کی حدود بالکل متعین تھیں۔ لکھتے ہیں:

''ہیکل کی اصل عمارت کی بنیادیں، اس کی تعمیر کا نقشہ اور حدود اسرائیل شریعت میں بالکل متعین تھیں اور ان میں کمی بیشی کا اختیار کسی کو حاصل نہ تھا۔۔''(براہین:394)

2۔دوسری طرف وہ ہیکل کی اصل عمارت کی بنیادوں کی تعیین کو نظر انداز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہیکل کی تباہی کو صدیاں گذر جانے کے بعد اس کی چاردیواری میں توسیع اور متعدد بار تعمیرات کے نتیجے میں ہیکل کی اصل بنیادوں کی متعین طور پر نشان دہی تو زیر زمین کھدائی اور اثراتی تحقیق کے بغیر ممکن نہیں۔ تاہم بائبل اور تالمود میں بیان کردہ تفصیلات کی روشنی میں یہودی علماء نے تخمیناً اس کی تعیین کی کوشش کی ہے اور اس ضمن میں ان کے ہاں تین نقطہ ہائے نظر پاتے ہیں''۔(براہین:397)

عمار خان نے پہلے یہ لکھا کہ ہیکل کی حدود اسرائیلی شریعت میں بالکل متعین تھیں لیکن پھر اس بات پر اتر آئے کہ اس کی حدود متعین نہیں بلکہ علمائے یہود کے تین قول ملتے ہیں جو تخمینی ہیں یقینی اور بالکل متعین نہیں ہیں۔

عمار خان کی مسلمانوں پر تنقید

پیچھے یہ بات گذر چکی ہے کہ عمار خان اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ

''جہاں تک قانونی پہلو کا تعلق ہے اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے دعوائے تولیت کو ایک عملی

ترجیح حاصل ہے۔انہوں نے یہ عبادت گاہ نہ یہودیوں سے چھینی تھی اور نہ ہی ان کی پہلے سے موجود کسی عبادت گاہ کو ڈھا کر اس پر اپنی عبادت گاہ بنائی تھی''۔(براہین:245)

تنبیہ: قانون سے یہاں شریعت کا قانون مراد ہے غیر شرعی قانون نہیں کیونکہ یہود کے حق کو ثابت کرنے کے لیے عمار خان نے اخلاقی پہلو کو اختیار کیا۔اگر قانون سے ان کی مراد غیر شرعی قانون ہوتا تو وہ اخلاقی پہلو کی طرف جانے سے پہلے شرعی پہلو کو بیان کرتے۔

جب شریعت کے قانون کی رو سے ایک حکم ثابت ہو گیا تو اس کی علت تلاش کرنے میں کوئی خطا کر بیٹھے تو یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں کیونکہ اصل چیز تو حکم پر عمل ہے۔لیکن عمار خان کو حکم ہی پسند نہیں ہے تو وہ اس کی علت کو کیا پسند کریں گے؟اس لیے وہ ہر ایک علت بتانے پر ناراض ہیں اور فرماتے ہیں:

(i) ''اگر عبدالملک بن مروان نے سیدنا عمر کے طے کردہ حدود سے تجاوز کرتے ہوئے قبۃ الصخرہ کو تعمیر کر کے عاقبت نااندیشی کا مظاہرہ نہ کیا ہوتا تو غالب امکان یہ تھا کہ یہ نزاع سرے سے پیدا ہی نہ ہوتا''۔(براہین:342)

(ii) ''ہمارے نزدیک موجودہ نزاع کی اصل جڑ مسلم وقف کا یہی انتہا پسندانہ موقف ہے اور اس پر نظر ثانی نہ صرف قران وسنت کے نصوص، بلکہ امت مسلمہ کے اس رویے کی روشنی میں بھی ضروری ہے جو اس نے گذشتہ صدیوں میں احاطہء ہیکل پر عملاً قابض ہونے کے باوجود ہیکل کی تعمیر کے امکان کے حوالے سے اختیار کیے رکھا۔۔۔۔ یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ قبۃ الصخرہ سمیت پورے احاطہء ہیکل کو سیدنا سلیمان علیہ السلام کی مسجد کا حصہ ہونے کے تعلق سے ایک عمومی تقدس اور احترام کا مرتبہ تو یقیناً حاصل ہے لیکن موجودہ مسجد اقصیٰ کے علاوہ پورے احاطہء ہیکل پر تولیت وتصرف کا حق جتانے اور یہودیوں کے حق کی کلیتاً نفی کرنے کا دینی وتاریخی لحاظ سے نہ کوئی جواز ہے اور نہ ضرورت''۔(براہین:396)

(iii) ''امت مسلمہ کی اخلاقی ذمہ داری بلاشبہ یہ تھی کہ وہ سیاسی کشاکش سے بالاتر ہو کر اس مطالبے کو اس کے صحیح شرعی ومذہبی تناظر میں دیکھتی اور اسلام اور اسلام کی اصولی تعلیمات کی روشنی میں اس معاملے کا فیصلہ عدل وانصاف کے ساتھ بالکل بے لاگ طریقے سے کرتی۔اہل کتاب اور ان کی عبادت گاہوں کے بارے میں اسلام کی اصل تعلیم روا داری اور مسامحت کی ہے لیکن مسجد اقصیٰ کے معاملے میں امت مسلمہ کے موقف اور رویے کا جس قدر بھی تجزیہ کیجیے یہی بات نکھرتی چلی جاتی ہے کہ وہ استحقاق کی نفسیات سے مغلوب ہو گئی جس کے نتیجے میں مسجد اقصیٰ کی تولیت کی امانت کو ایک مستقل مذہبی حق قرار دینے اور یہود کو اس سے قطعاً لاتعلق ثابت کرنے کے لیے علمی سطح پر انحرافات کا

ایک سلسلہ وجود میں آچکا ہے۔ ایک گروہ نے سرے سے مسجد اقصیٰ کی مسلّم ومتواتر تاریخ کو ہی جھٹلا دیا۔ دوسرے گروہ نے تکوینی اور واقعاتی طور پر امت مسلمہ کو ملنے والے حق تولیت کو ایک ابدی اور ناقابل تبدیل شرعی حق کا رنگ دینے کی کوشش کی۔ جبکہ تیسرے گروہ نے تیرہ صدیوں کے واقعاتی تسلسل کو ہی حتمی اور فیصلہ کن قرار دیتے ہوئے اس سلسلے میں دیگر قابل لحاظ امور کے ساتھ ساتھ مذہبی اخلاقیات اور قران وسنت کی اصولی تعلیمات کو بھی کوئی وزن دینے سے انکار کر دیا''۔ (براہین: 400, 401)

(iv) ''اس صورت حال سے واضح ہے کہ مسجد اقصیٰ کا معاملہ امت مسلمہ کے لیے بھی اسی طرح ایک اخلاقی آزمائش کی حیثیت رکھتا ہے جس طرح کہ وہ بنی اسرئیل کے لیے تھا، اور افسوس ہے کہ اس آزمائش میں ہمارا رویہ بھی حذو النعل بالنعل (Same to Same) اپنے پیش رووں کے طرز عمل ہی کے مماثل ہے۔۔۔ لیکن ہیکل کی بازیابی اور تعمیر نو کے ایک مقدس جذبے کو'' مسجد اقصیٰ کی حرمت کی پامالی'' کا اعنوان دے کر ایک طعنہ اور الزام بنا دینا مسجد اقصیٰ پر یہود کے تاریخی ومذہبی حق کی مطلقاً نفی کر دینا اور اس سے بڑھ کر ان کو اس میں عبادت تک کی اجازت نہ دینا ہرگز کوئی ایسا طرز عمل نہیں ہے جو کسی طرح بھی قرین انصاف اور اس امت کے شایان نشان ہو جس کو'' کونوا قوامین لله شهداء بالقسط '' کے منصب پر فائز کیا گیا ہے۔ (براہین: 401)

بعض اہل علم کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد یہود کے حق میں اس وعدے کا پورا ہونا آپ پر ایمان لانے کے ساتھ مشروط ہو گیا تھا اور چونکہ آپ کی طرف سے اتمام حجت کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے اس وعدے کے پورا ہونے کا امکان اب ان کے حق میں نہیں رہا، دو وجوہ سے بالکل بے معنی ہے:

ایک تو یہ کہ جب اسلامی شریعت میں یہود کو ایک مذہبی گروہ کے طور پر باقی رہنے اور اپنے مذہب کی پوری آزادی کے ساتھ عمل کرنے کا حق دیا گیا اور ان کے مذہبی مقامات وشعائر کے احترام کی تلقین کی گئی ہے تو ان کے اپنے قبلے سے محروم کرنے کی کیا تک ہے؟ کسی مذہبی گروہ سے یہ کہنا کہ تمھیں اپنے مذہب پر قائم رہنے کا تو پورا پورا حق ہے اور ہماری طرف سے تمہارے مذہبی شعائر و مقامات کو بھی پوری طرح تحفظ حاصل ہو گا لیکن اگر تم اپنے قبلے کے ساتھ کوئی تعلق باقی رکھنا اور اس میں عبادت کا حق حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کے لیے تمہیں اپنے مذہب سے دستبرداری اختیار کر کے ہمارے مذہب میں آنا ہو گا، آخر ایک مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟۔ (براہین: 262)

☆......☆......☆......☆

مولانا نور محمد تونسوی مدظلہم

منکرین حیات قبر کی کذب بیانیاں

(......قسط نمبر۲......)

جھوٹ ۱۱

منکرینِ حیاتِ قبر ایک جھوٹ یہ بولتے ہیں کہ:

''ہم مسلکاً دیوبندی ہیں۔''

حالانکہ اکابر علماء اہل سنت دیوبند کے مسلک سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہے، مسلک اہل سنت دیوبند سے کٹ جانے کے باوجود اپنے آپ کو دیوبندی کہلواتے رہنا ایک بہت بڑا جھوٹ ہے، تفصیل کیلئے بندہ عاجز کا ایک رسالہ بنام ''معیارِ صداقت'' چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے جس کا مطالعہ کرنا مفید ہوگا، اس میں بتایا گیا کہ مسلک علمائے دیوبند سے ان لوگوں کو کتنے مسائل وعقائد میں اختلاف ہے۔

جھوٹ ۱۲

یہ لوگ جھوٹ بولتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''۱۹۶۲ء میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نے راولپنڈی میں حیات النبیؐ کے موضوع پر جو فیصلہ فرمایا تھا اور اس پر فریقین کے علماء کے دستخط بھی ہیں، اس فیصلہ کو حضرت مولانا شیخ القرآن غلام اللہ خان صاحب نے منسوخ کر دیا تھا۔''

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ القرآن تادم زیست اس فیصلہ پر قائم رہے اور اس فیصلہ سے انحراف نہیں فرمایا، لہٰذا یہ کہنا کہ شیخ القرآن نے یہ فیصلہ منسوخ کر دیا ایک بہت بڑا جھوٹ ہے، تحقیق مزید کیلئے حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب کی کتاب ''عقیدہ شیخ القرآن'' کا مطالعہ کیجئے''۔

جھوٹ ۱۳

یہ لوگ کہتے ہیں کہ:

''قرآن مجید کی نص قطعی ہے کہ حضرت عُزیر علیہ السلام سو سال تک مرے رہے اور سو سال کے عرصہ میں کئی حالات بدلے، بارشیں آتی رہیں، آندھیاں چلتی رہیں، لیکن حضرت عزیر علیہ السلام کو ان طاری ہونے والے حالات کا پتہ نہیں چلا۔''

حالانکہ قرآن پاک کی نص قطعی سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص کا ایک تباہ شدہ بستی پر گزر ہوا اور بستی کے سب باشندے مر چکے تھے تو اس گزرنے والے شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کو کس طرح زندہ کرے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو سو سال کیلئے موت دے دی اور سو سال کے بعد اس کو زندہ کیا اور پوچھا کہ تو کتنا عرصہ ٹھہرا؟ تو اس نے کہا کہ ایک دن یا بعض دن۔ اس واقعہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو نامزد نہیں کیا حتی کہ قرآن مجید کے الفاظ یہ ہیں او کالذی مر علی قریۃ یعنی ایک شخص کا بستی پر گزر ہوا، لہٰذا جس چیز کو اللہ نے مبہم چھوڑا ہے اس کو مبہم رہنے دیا جائے، البتہ حضرات مفسرین کرام نے بتایا کہ یہ شخص ایک کافر بادشاہ تھا یا حضرت ارمیا علیہ السلام تھے یا حضرت عزیر علیہ السلام تھے، بہرحال کوئی شخص تھا، جس کا قرآن مجید میں نام نہیں لیا گیا، لہٰذا اس واقعہ کو اس انداز میں بیان کرنا کہ قرآن نے حضرت عُزیر علیہ السلام کو نامزد کیا ہے ایک سفید جھوٹ ہے۔

جھوٹ ۱۴

یہ لوگ عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ:

''قرآن کریم میں صرف دو حیاتیں اور دو موتیں ہیں۔''

حالانکہ یہ بات بھی سفید جھوٹ ہے، قرآن مجید میں ایک تیسری حیات بھی بیسیوں آیات سے ثابت ہے بیشک قرآن مجید میں کفار کا یہ مقولہ درج ہے ''ربنا امتنا اثنتین و احییتنا'' ترجمہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم کو دو بار مردہ رکھا اور دو بار زندگی دی۔ لیکن اس قسم کی آیات سے عالم قبر و برزخ کی زندگی کی ہرگز ہرگز نفی نہیں ہوتی، علامہ شبیر احمد صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہما اللہ نے اپنی تفسیروں میں لکھا ہے کہ یہاں عالم قبر و برزخ کی زندگی کو عالم دنیا کی زندگی کا تتمہ بنا کر اس میں شامل کر دیا گیا ہے یا پھر عالم آخرت کی زندگی کا مقدمہ بنا کر اس میں شامل کر دیا گیا ہے پس ثابت ہوا کہ صرف دو حیاتیں نہیں ہیں درحقیقت حیاتین تو تین ہیں البتہ جہاں دو کا ذکر آیا ہے وہاں قبر و برزخ کی زندگی کو یا تو دنیا کی زندگی کا تتمہ بنا دیا گیا ہے یا پھر آخرت کی زندگی کا مقدمہ بنا دیا گیا ہے، پس ثابت ہوا کہ یہ کہنا کہ حیاتیں صرف دو ہیں ایک بہت بڑا جھوٹ ہے، واضح ہو کہ یہ لوگ علمائے حق کی تردید میں دو حیاتوں دو حیاتوں کی رٹ تو خوب لگاتے ہیں لیکن درحقیقت خود بھی تین حیاتوں کے قائل ہیں۔ ۱۔ حیات دنیا ۲۔ حیات برزخ ۳۔ حیات آخرت پس معلوم ہوا کہ یہ لوگ خود بھی تین حیاتوں کے قائل ہیں اور اس کے باوجود دو حیاتیں دو حیاتیں کہتے پھرتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ علماء اسلام اس تیسری زندگی کو حیات قبر و برزخ کہتے ہیں اور یہ لوگ اس تیسری زندگی کو حیات برزخیہ کہتے ہیں بہرحال یہ ایک حقیقت ہے جو کتاب وسنت سے ثابت ہے کہ حیاتیں تین ہیں

صرف دو نہیں ہیں، صرف دو حیات دو حیات کی رٹ لگانا سفید جھوٹ ہے۔

جھوٹ ۱۵

اشاعۃ التوحید کے مشہور لکھاڑی علامہ سجاد بخاری لکھتے ہیں:

''مگر جمہور امت پر کھلا بہتان ہے۔ ارواح انبیاء علیہم السلام کا ان کے بدنوں میں اعادہ اور پھر بدنوں میں دوام وبقاء جمہور کا ہر گز مسلک نہیں۔ جمہور کا مسلک وہی ہے جو پہلے مستقر الارواح کے تحت مذکور ہو چکا ہے کہ بوقت وفات انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ ان کے ابدان مبارکہ سے نکال لی جاتی ہیں اور ان کا مستقر اعلی علیین ہے۔ البتہ ان کی روحوں کو ان کے بدنوں کے ساتھ ایک غیر معلوم الکیفیۃ تعلق ہوتا ہے جس کو مختلف عنوانوں کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً اشراف، اشراق، تعلق عاشق بمعشوق، تعلق صاحب خانہ بخانہ وغیرہ۔ اعادہ روح صرف بعض متاخرین کا مسلک ہے۔ لیکن کتاب وسنت کے نصوص صریحہ اور مسلک جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل اور مردود ہے۔'' [اقامۃ البرہان۔ صفحہ ۱۵۵]

قارئین کرام!

علامہ سجاد بخاری کا یہ سفید جھوٹ ہے، کیونکہ جمہور امت قبر میں اعادہ روح کی قائل ہے اور کہتے ہیں کہ قبر کی جزاء وسزا کیلئے روح اور جسم کے مابین ایک خاص قسم کا تعلق رہتا ہے جس کی وجہ سے مردہ انسان جزاء وسزا کو محسوس کرتا ہے۔

چنانچہ امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:

''واعادة الروح الی العبد فی قبره حق'' [الفقه الاکبر مع الشرح یعلی قاری۔ صفحہ ۱۰۰]

ترجمہ: قبر میں بندے کی طرف اعادہ روح حق ہے۔

امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

''الاحادیث متواتره علی عود الروح الی البدن وقت السوال'' [شرح الصدور۔ صفحہ ۶۲]

ترجمہ: احادیث متواترہ اس بات پر ناطق ہیں کہ نکیرین کے سوالات کے وقت بدن کی طرف اعادہ روح ہوتا ہے۔

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''وقال شیخ الاسلام، الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن وقت السوال'' [کتاب الروح۔ صفحہ ۲۷]

ترجمہ: شیخ الاسلامؒ کہتے ہیں، احادیث صحیحہ متواترہ دلالت کرتی ہیں کہ نکیرین کے سوالات کے وقت بدن کی

طرف روح کا اعادہ ہوتا ہے۔

اور ایک مقام پر اعادہ روح کی احادیث لکھ کر فرماتے ہیں:

''وذهب الى القول بموجب هذا الحديث جميع اهل السنة والحديث من سائر الطوائف'' [کتاب الروح۔صفحہ ۶۰]

ترجمہ: اس حدیثِ اعادۂ روح کے پیشِ نظر اہل سنت کے تمام گروہ اس طرف گئے ہیں کہ قبر میں اعادہ روح ہوتا ہے۔

امام قرطبی لکھتے ہیں:

"الا يمان بعذاب القبر وفتنته :واجب والتصديق به لازم، حسب مااخبر به الصادق ،وان الله تعالىٰ يحيى العبد المكلف فى قبره برد الحياة اليه و يجعله من العفل فى الوصف الذى عاش عليه ليعفل مايسأل عنه وما يجيب به و يفهم ما اتاه من ربه وما اعد له فى قبر ه من كرامته اوهوان وبهذ انطقت الاخبار عن النبى المختار صلى الله عليه وسلم وعلى الِهٖ آناء الليل و اطراف النهار، وهذا مذهب اهل السنة والذى عليه الجماعة من اهل الملة ولم تفهم الصحابة الذين نزل القرآن بلسانهم و لغتهم من نبيهم عليه السلام غير ماذكرنا وكذلك التابعون بعد هم الى هلمّ جرّاً ،ولقدقال عمر بن الخطاب رضى الله عنه لمااخبر النبى ﷺ بفتة الميت فى قبره وسوال منكر ونكيروهما الملكان له: يا رسول اللّٰه ايرجع الى عقلى؟ قال نعم۔ قال: اذا اكفيهما:والله لئن سئلانى سأ لتهما :فاقول لهما:انا، ربى اللّٰه فمن ربكماانتما؟ [التذكرة للقرطبى۔صفحه ١٣٧]

ترجمہ: عذاب قبر اور اس کے فتنہ پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کی تصدیق لازم ہے جسطرح کہ اللہ کے نبی صادق ﷺ نے خبر دی اس کے مطابق ایمان لانا ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ مکلّف بندے کو اپنی قبر میں زندہ کرتا ہے، بایں طور کہ اس حیات کو اسکی طرف رد کر دیتا ہے اور اس کیلئے اتنا عقل بناتا ہے جس پر وہ دنیا میں زندہ رہتا ہے تا کہ جو کچھ اس سے پوچھا جائے اسے وہ سمجھے اور جو جواب دے اسے بھی وہ سمجھے، اور اس کو بھی سمجھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس آئی اور جو کچھ تیار کیا اس کیلئے اس کی قبر میں عزت یا ذلت سے، اور اسی پر ناطق وہ حدیثیں جو حضور اکرم ﷺ سے مروی ہیں، اور یہی اہل سنت کا مسلک ہے اور اسی پر قائم ہیں اہل ملت سے جماعت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم، جن کی زبان میں قرآن اُترا، اور جو کچھ ان کے بعد تابعین ھلـم جرًا اور البتہ تحقیق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا جب حضور اکرم ﷺ نے خبر دی کہ قبر میں میت کا امتحان ہوتا ہے اور منکر نکیر کا سوال ہوتا ہے۔ اے اللہ کے رسول! کیا میری عقل میری طرف لوٹا دی جائے گی؟ آپ ؐ نے فرمایا: جی ہاں، (تو حضرت عمرؓ نے) کہا اس وقت

میں ان دونوں کو کافی ہوں، اللہ کی قسم اگر مجھ سے سوال کریں گے تو میں بھی ان سے سوال کروں گا اور ان کو کہوں گا میرا رب تو اللہ ہے تم بتاؤ کہ تمہارا رب کون ہے؟

حضرت مولانا عبدالعزیز پرہاروی لکھتے ہیں:

''ان الاحادیث الصحیحة ناطقة بان الروح یعاد الی الجسدعند السوال''

[نبراس۔صفحہ ۲۰۹]

ترجمہ: یقیناً احادیث صحیحہ اس بات پر ناطق ہیں کہ سوال کیوقت قبر میں جسد کی طرف اعادہ روح ہوتا ہے۔

علامہ سید محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں:

''والجمهورعلی عود الروح الی الجسد او بعضه وقت السوال علی وجه لایحس به اهل الدنیا الامن شاء الله تعالیٰ'' [تفسیر روح المعانی ص:۸۷ ج:۱۱]

ترجمہ: جمہور علماء اسلام اس نظریہ پر قائم ہیں کہ قبر کے سوال کے وقت کل یا بعض جسد کی طرف اعادۂ روح ہوتا ہے، ایسے طریقے پر کہ اس کو اہل دنیا محسوس نہیں کرتے، مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے محسوس کرادے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

''و خالفهم الجمهور فقالواتعاد الروح الی الجسد او بعضه کما ثبت فی الحدیث''

[فتح الباری ج ۳ صفحہ ۳۰۱]

ترجمہ: (بعض لوگ کہتے ہیں کہ قبر کا سوال صرف روح سے ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ صرف جسد سے ہوگا) لیکن جمہور علماء اسلام نے ان دونوں کی مخالفت کی ہے اور فرمایا ہے کہ قبر میں کل یا بعض جسد کی طرف اعادہ روح ہوتا ہے جس طرح کہ حدیث سے ثابت ہے۔

علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں:

''ان حدیث ابن عمر محمول علی ان مخاطبة اهل القلیب کا نت وقت المسئلة ووقتها وقت اعادة الروح الی الجسد'' [عمدۃ القاری ج:۸ ص:۲۱۳]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث قلیب بدر اس بات پر محمول ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا قلیب بدر سے کلام کرنا قبر کے سوال کے وقت تھا اور اسی وقت جسد کی طرف اعادہ روح ہوتا ہے۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''بان دعوی اعادة الروح الی الجسد قبل الدفن یحتاج الی دلیل''

[عمدۃ القاری، ج:۸، ص:۱۲۵]

ترجمہ: (قبر میں تو اعادہ روح قطعی اور یقینی ہے،) لیکن دفن سے پہلے اعادہ روح دلیل کا محتاج ہے۔

حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں:

''ثم السوال عندی یکون بالجسد مع الروح کما اشار الیه صاحب الهدایة فی الایمان ''[فیض الباری ج:۱،ص:۱۸۵]

ترجمہ: پھر سوالِ قبر میرے نزدیک، روح اور جسد کے مجموعہ سے ہوتا ہے جس طرح کہ صاحب ہدایہ نے ''کتاب الایمان'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''مذهب جمهوراهل السنة وهو انه تعادالروح الی الجسداوالی بعضه عندالسؤال اَو العذاب کما ثبت فی الحدیث''[تکملہ فتح الملہم ج:۶،ص:۲۴۰]

ترجمہ۔ جمہور اہل السنۃ کا مذہب یہ ہے کہ سوالِ قبر اور عذابِ قبر کے وقت روح کا کل یا بعض جسد کی طرف اعادہ ہوتا ہے۔

اور حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں:

''قد ثبت الاحادیث بماذهب الیه الجمهور'' یعنی جمہور کا مذہب حدیثوں سے ثابت ہے۔

قارئین کرام!

اس قسم کے ان گنت حوالہ جات پیش کیے جا سکتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ قبر میں اعادہ روح ہوتا ہے اور عام قبر و برزخ کی جزاء سزا کیلئے روح اور جسم کے مابین ایک خاص قسم کا تعلق رہتا ہے جس کی وجہ سے مردہ انسان قبر کی کارروائی کو محسوس کرتا ہے، لہٰذا علامہ سجاد بخاری کا یہ کہنا کہ: ''جمہور کا مذہب اعادہ روح کا نہیں ہے''، یہ ایک بہت بڑا جھوٹ ہے۔ (جاری ہے۔۔۔۔)

مولانا مفتی شاہد مسعود، سرگودہا

امام اہل سنت رحمہ اللہ......فرق باطلہ کے تعاقب میں

الحمد للہ وکفی والصلوۃ والسلام علی سید الرسل و خاتم الانبیاء

حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی شروع دن سے ہی چلتی آ رہی ہے۔ حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کے مقابلے میں ان کی قوم نبرد آزما ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ٹکر، نمرود جیسے جابر بادشاہ سے ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ ظالم حکمران فرعون سے ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف یہودی درندوں نے پنجہ آزمائی کی۔ اور آخر میں امام الانبیاء، خاتم الرسل، ہادی عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ تو مقابلے کے لیے کئی سرداران قریش، مثل ابوجہل فرعون ہذہ الامۃ، ابولہب، عتبہ، عتیبہ، عاص بن وائل سہمی جیسے بدبخت اور شقی ترین لوگ آپؐ کے درپے آزار ہوئے۔ اور حتی الامکان، حق کی آواز کو دبانے کی کوشش کی، لیکن ؏ اتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دباؤ گے۔ حق کا مشن روز بروز ترقی پذیر ہوتا رہا، اور دشمنانِ اسلام کو منہ کی کھانی پڑی۔ یہاں تک کہ مشرکین مکہ کی آماجگاہ مکہ مکرمہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مدد و اعانت سے اپنے پیارے محبوب ﷺ کے دست اقدس کے سامنے سرنگوں کر دیا۔

پھر رفتہ رفتہ، عالم عرب بلکہ عجم تک بھی اسلام پھیل چکا تھا۔ اس کے بعد خلفائے راشدینؓ کے زمانوں میں اگرچہ روم و فارس جیسی مضبوط حکومتوں سے سامنا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ان حضرات کے ساتھ شامل حال رہی اور اسلام آدھی سے زیادہ دنیا پر پھیل گیا۔ اس وقت کفر کو مقابلے میں سامنے کھڑا ہونے کی ہمت باقی نہ رہی۔ بلکہ کفر کی کمر اس شدت سے ٹوٹی کہ پھر دوبارہ کھڑے ہونے کے قابل نہ رہے تو اس وقت اندرونی طور پر کچھ خفیہ طاقتوں نے اسلام کو نیست و نابود کرنے کی غرض سے اسلام کا لبادہ اوڑھا۔ اور اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوگئے۔ شیخینؓ کے زمانہ میں ان دشمنانِ اسلام کی کوئی سازش کامیاب نہ ہوسکی۔ تو کفار نے خفیہ طریقہ سے امام عدل وانصاف، امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب کو عین نماز کی حالت میں زخمی کیا جو بعد میں یکم محرم الحرام ۲۳ھ میں شہادت پر منتج ہوئی۔

بس بقول حضرت مغیرہ بن شعبہؓ راز دان نبوت کے، فتنوں کے سامنے بند ٹوٹ گیا، اور فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ بعدازاں انہی فتنوں کی بھینٹ، پیکر حلم وحیا سیدنا عثمان غنیؓ چڑھ گئے۔ اور ۱۸ ذوالحج ۳۵ھ کو جام شہادت نوش فرمایا۔

پھر بعد میں نہ ختم ہونے والے فتنوں کا دور شروع ہوا۔ اور نئے نئے فرقے جنم لینے لگے، چنانچہ امام

شجاعت سیدنا حضرت علیؓ خلیفہ راشد کے دور ہی میں دو بڑے اہم فرقے رونما ہوئے...... 1 رافضیہ ، ......2 خارجیہ۔ حضرت علیؓ نے اپنی خداداشجاعت وصلاحیت سے انکا بھر پور مقابلہ فرمایا۔لیکن ان فتنہ بازوں نے حضرت علیؓ کو بھی ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ کو راستہ سے ہٹا کر جام شہادت پلا دیا۔

پھر فتنہ پرورلوگوں نے میدان خالی دیکھ کر، فتنہ وفساد برپا کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگادیا۔لیکن حضرت حسنؓ کی فہم وفراست نے ان فتنوں کو دبا دیا۔ جس کے نتیجہ میں آپؓ کو زہر کے ذریعہ سے شہید کر دیا گیا۔ پھر فتنہ بڑھا تو حضرت حسینؓ نے آگے بڑھ کر مقابلہ کیا اوراپنے اہل بیت سمیت ۷۲ تنوں کی قربانی پیش فرمائی۔

لیکن ابھی تک فتنے تحریر کی صورت میں نمودار نہیں ہوئے تھے بلکہ باطل نظریات زبانی طور پر ایک دوسرے کی طرف منتقل کیے جاتے تھے۔ تابعین، تبع تابعین کے ادوار مبارکہ میں ان فتنوں نے سر اٹھایا اور مستقل طور پر کتابی شکل میں فتنے ظاہر ہونے لگے۔

اس وقت اکابرین امت نے ان باطل فرقوں کا زبردست مقابلہ کیا۔ جبریہ،قدریہ،معتزلہ،مسئلہ خلق قرآن،معطّلہ،مجسمہ جیسے فرقے معرض وجود میں آئے،اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلوں کے لیے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ جیسی نابغۂ روزگار شخصیات کو پیدا فرمایا۔ جنہوں نے اپنی جانوں کی پرواہ کیے بغیر ان فتنوں کو پروان چڑھنے سے روک دیا، یہی وجہ ہے کہ اب ان فتنوں کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ قصہ مختصر لکل فرعونٍ موسیٰ کی حالت بدلتی رہی۔

اس برصغیر پاک وہند میں بہت ہی فتنے پیدا ہوئے ہیں۔ بلکہ دنیا کے باقی حصوں کی نسبت یہاں فتنے زیادہ پیدا ہوئے۔ کیونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:الفتنة ھھنا۔ اشار نحو المشرق ۔(بخاری) کہ فتنے اس طرف یعنی مشرق کی طرف سے نکلیں گے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے ان فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ان کے بعد ان کے خلفاء کرام نے ان فتنوں کا تعاقب کیا۔ بعدازاں یہ ذمہ داری امام الہند سند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ پر آپڑی، انہوں نے جس پامردی سے فتنوں کا تعاقب کیا، اس کی مثال مشکل سے میسر آئیگی۔ان کے بعد ان کے قابل فخر فرزندِ ارجمند حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین رحمہم اللہ نے ان فتنوں سے امت کو آگاہ کیا، اوران فتنوں کو پنپنے نہ دیا۔ پھران ہی کے شاگردوں میں سے شاہ سید احمد بریلویؒ، شاہ اسماعیلؒ شہید جیسے اکابرین واساطین امت کھڑے ہوئے اور فتنوں کا اس زور سے مقابلہ کیا کہ آجتک اہل بدعت اس کی کڑواہٹ محسوس کررہے ہیں (اَلْحَقُّ مُرٌّ) کہ حق تو ہمیشہ کڑوا ہی ہوتا ہے۔

پھر یہ سلسلہ آگے بڑھا، ان کے نام لیوا، شاہ صاحبؒ کے خاندان کے شاگردوں، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، فقیہ امت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، (جو کہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی

امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے ارشد خلفاء میں سے تھے۔) نے ان فتنوں کا اس زور سے مقابلہ کیا کہ آج بھی ان کا نام سن کر اہل باطل پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے۔

پھر ان کے نامور شاگرد، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی باطل قوتوں کے سامنے سدِّ سکندری ثابت ہوئے۔ بعدازاں ان کے شاگردوں اور نام لیواؤں کی ایک کھیپ تیار ہوئی۔ جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر حضرت شیخ الہندؒ کا جانشین، اور باطل قوتوں کے لیے حلق کا کانٹا ثابت ہوا۔ یعنی شیخ العرب والعجم حضرت سید حسین احمد مدنیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، خاتم المحدثین حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسے لوگ حق کا نشان بن کر اُبھرے اور باطل کو ناکوں چنے چبوائے جن کی وجہ سے باطل دم بخود ہو کر رہ گیا۔

پھر انہی کے تلامذہ میں ایک پوری جماعت باطل قوتوں کے خلاف نبرد آزما ہوئی۔ یعنی امام الاولیاء حضرت احمد علی لاہوریؒ، امام اہل سنت سید نور الحسن شاہ بخاریؒ، امام المناظرین علامہ عبد الستار تونسویؒ، مناظر اعظم علامہ دوست محمد قریشیؒ، شیخ وقت حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ، محقق اہل سنت حضرت مولانا نافع مدظلہم، مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہم، حکیم العصر ترجمان اہل سنت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، وکیل احناف، مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ، اور امام اہل سنت، شیخ الحدیث والتفسیر، محقق کبیر، استاذ الکل حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی۔

حضرت امام اہل سنت شیخ صفدر رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے ہر فتنہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، وہ چاہے تحریک کی شکل میں ہو یا تحریر کی شکل میں، یا پھر تقریر کے انداز میں، ہر طرح باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفےٰ ﷺ کے سلسلہ میں گرفتار ہوئے، اور تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں ۹ ماہ اور ۱۹۷۶ میں تحریک جامع مسجد نور کے سلسلے میں چھ ماہ جیل میں گزارے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر تحریک میں کامیابی سے نوازا۔ اور کامیابی نے آپ کے قدم چومے۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ درس و تدریس کا اتنا بڑا عظیم کام کرنے کے باوجود باطل فرقوں کے تعاقب میں تقریباً ۵۰ کُتب تحریر فرما کر امت پر احسان عظیم فرمایا۔ جو کہ رہتی دنیا تک یاد رکھا جائیگا۔

شاید ہی کوئی ایسا فتنہ ہو جس کا تعاقب حضرت امام اہل سنت نے نہ کیا ہو۔ مثلاً قادیانی برصغیر کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ مقالہ ختم نبوت قرآن و سنت کی روشنی میں اور توضیح المرام فی نزول مسیح علیہ السلام لکھ کر ان کی خوب تردید کی۔ اور ''چراغ کی روشنی'' میں قادیانی کے معراج النبیؐ کے بارے میں اعتراضات کو کافور فرمایا۔

عیسائیت کی تردید میں ''عیسائیت کا پس منظر'' لکھ کر ان کے عقائد باطلہ کا مکمل توڑ پیش فرمایا۔

تیسرا بڑا اہم فرقہ رافضیت ہے۔اس کے بارے میں حضرت نے ''ارشاد الشیعہ'' لکھ کر قصر رافضیت میں دراڑیں ڈال دیں،جس کا آج تک شیعیت جواب دینے سے عاجز ہے،اس میں حضرت نے شیعہ کے بنیادی عقائد اوران کے کفر کی وجوہ لکھی ہیں، جوکہ اس موضوع پر کام کرنیوالوں کے لیے بہترین ہتھیار ہے۔اسی طرح ''الکلام الحاوی'' میں بھی روافض کی تردید کی۔

مودودی فتنہ کے خلاف ''مودودی صاحب کا غلط فتویٰ'' لکھ کراس کی مکمل تردید فرمائی۔

اہل بدعت کے خلاف تو کافی وسیع کام کیا، بہت سی کتب لکھ کران کے شرک وبدعت کے طوفانوں کے سامنے بند باندھ دیا ہے۔حقیقی بات یہ ہے کہ اس موضوع پرکام کرنیوالے کواس کی قدر ہے،آج کوئی بڑا عالم حتی کہ شیخ الحدیث بھی ان کی کتب سے استفادہ کیے بغیرنہیں رہ سکتا۔اہل بدعت نے اپنے باطل نظریات پروان چڑھانے کے لیے ترجمہ قرآن لکھا۔جو''کنزالایمان'' کے نام سے مشہور ہوا۔جس کی تفسیر مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے لکھی،اس کا مکمل اور مدلل جواب ''تنقید متین برتفسیرنعیم الدین'' میں دیا۔اس میں حضرت نے بدعتیوں کے سارے تاروپود بکھیر کرر کھ دیئے۔جس کے سہارے وہ اپنے مذہب کوسہارا دینے کی ناکام کوشش کررہے تھے۔''گلدستہ توحید'' جیسی معرکۃ الاراء کتاب لکھ شرک وبدعت کی خوب بیخ کنی فرمائی۔اور ان کی شرک کے ڈرامائی اندازوں کوطشت ازبام فرمایا۔

پھر''راہ سنت'' لکھ کراہل بدعت کے سارے،سنت کے گرد بچھائے گئے کانٹوں کوچن چن کرعلیحدہ فرمادیا۔اوران کی تمام تربدعتی سکیموں کونیست ونابود کر کے رکھ دیا۔

مسئلہ حاضروناظر کے بارے میں اہل بدعت کی تاریکیوں کو''آنکھوں کی ٹھنڈک'' کے ذریعہ علم کے چراغ سے روشن فرمایا۔اوراہل السنّت والجماعت کے حقیقی مذہب کی وضاحت اس انداز سے فرمائی کہ اہل بدعت بوکھلاہٹ کاشکار ہوگئے۔

''ازالۃ الریب'' میں مسئلہ علم غیب پرمکمل ومدلل بحث فرمائی ہے۔جس میں قرآنی آیات،اور احادیث مبارکہ سے اس مسئلہ کی مکمل وضاحت فرمائی ہے کہ علم غائب خاصۂ خداوندی ہے اوراس خاصہ میں کوئی اورشریک نہیں ہے۔مزید بدعتیوں کے نام نہاد دلائل کا تانا،بانا بھی بکھیر کرر کھ دیا۔جس سے قصر رضاخانیت میں ایک زلزلہ پیدا ہوگیا۔اوران کے تارعنکبوت کی عمارت دھڑام سے نیچے آگری۔

پھراکابرین علماء اہل سنت،دیوبند پرجھوٹے اورتراشے ہوئے الزامات کی حقیقت کوواضح کرنے کے لیے''عبارات اکابر'' لکھ کران کے سارے اعتراضات کامکمل پوسٹ مارٹم فرمایا۔

''دل کاسرور'' اسم بامسمیٰ کتاب ہے۔جس میں آپؒ نے مسئلہ مختارکل کی مکمل ومدلل وضاحت فرمائی اوربدعتی مشن کی مکمل تردید فرمائی، کہ مختارکل صرف اورصرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔اللہ تعالیٰ کے پاک

پیغمبر علیہ السلام تو شفاعت کبریٰ کے عظیم منصب پر فائز ہیں۔ جو مختارِ کل ہوتا ہے وہ شافعِ محشر کیسے بن سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ ثابت فرمایا کہ: حضور سرور کائنات ﷺ کو مختارِ کل کہنا درحقیقت شفاعت کا انکار ہے۔ حضرت نے اس میں باطل کے دانت خوب کھٹے کیے ہیں۔

''اظہار العیب'' اہل بدعت کے رسالہ ''اثبات علم غیب'' کا جواب ہے۔ جس میں اہل بدعت نے اپنا بے جا زور لگا کر حضور نبی کریم ﷺ کو ''عالم الغیب'' ثابت کرنیکی ناکام کوشش کی تھی۔

''درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ'' میں اہل بدعت کی طرف سے مروجہ صلوۃ وسلام کو ثابت کرنیکی ناکام سعی کی تردید اور اہل اسلام کی طرف سے قرآن وسنت سے درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ کی نشاندہی فرما کر اہل باطل کا رد فرمایا ہے۔

''طائفہ منصورہ'' نامی کتاب میں حضرت علیہ الرحمۃ نے کامیاب گروہ کی نشاندہی فرمائی ہے۔ اور ان کی علامات، قرآن وسنت سے واضح طور پر ذکر کر دی ہیں۔ اس میں جہاں منصف حضرات اس سے استفادہ کر کے نتیجہ خیز فیصلہ کر سکتے ہیں۔ وہاں اختلافی جھگڑوں سے تنگ آئے ہوئے لوگ بھی راہ راست پر آنے کی فکر وسوچ پیدا کر کے صراط مستقیم پر چل سکتے ہیں۔

اس امت کو خصوصی طور پر افراط وتفریط سے روکا گیا ہے، اس لیے حضرت شیخؒ نے جہاں اہل باطل قادیانیوں، عیسائیوں، رافضیوں، بدعتیوں وغیرہ کے شکوک وشبہات کو طشت از بام فرمایا ہے۔ وہیں پر حضرت امام اہل سنت نے دین کے مسلمہ اصولوں سے برگشتہ ہو کر تفریط میں پڑنے والے لوگوں کے لیے راہنمائی کا کام بھی انجام دیا ہے اور تفریط میں پڑنے والے فتنوں کی بنیاد، ترک تقلید ہے۔ اگر قرآن وسنت کے اصولوں کے مطابق، ائمہ اربعہ (جن کی تقلید پر امت کا اجماع ہو چکا ہے) کی صحیح تقلید واتباع کی جائے تو ان فتنوں کا قلع قمع آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے حضرت شیخؒ نے دوسرے مضامین کی طرح اس پُر خار وادی میں کامیاب قدم رکھا ہے۔ جو کہ سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں بھٹکے ہوؤں کو صراط مستقیم دکھانے میں مفید ثابت ہوا ہے۔

چنانچہ ''الکلام المفید'' میں تقلید کا لغوی، شرعی معنیٰ اور اس معنیٰ کے اندر غیر مقلدین کے پھیلائے گئے شبہات ووساوس کو دور فرمایا ہے اور قرآن وسنت واجماع امت واقوال سلف کے ٹھوس دلائل سے مسئلہ تقلید کو خوب نکھارا ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ مسئلہ تقلید پر اتنی مکمل ومدلل کتاب آج تک معرض وجود میں نہیں آئی تو بے جا نہیں ہوگا۔ اور خصوصی طور پر غیر مقلدین کے تقلید کے بارے میں اور امام اعظم ابوحنیفہؒ پر وارد ہونے والے اعتراضات کی خوب قلعی کھولی ہے۔

امام کے پیچھے مقتدی کے فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ، احناف وغیر مقلدین میں ایک جنگ وجدال کا سبب بنا ہوا تھا۔ اس لیے حضرت شیخ رحمہ اللہ نے محنت شاقہ کر کے ''احسن الکلام'' کو مرتب فرمایا جس کے بعد حقیقی

طور پر غیر مقلدین کے قدیم وجدید شکوک وشبہات کو کافور کردیا ہے، جس کا صحیح جواب آج تک غیر مقلدین نہیں دے سکے اور نہ ہی دے سکتے ہیں۔ سیکڑوں کتابوں کے ہزاروں صفحات کھنگالنے کے بعد احناف کثر اللہ سوادھم کے پاس یہ حضرت کا انمول تحفہ ''علمی یادگار'' رہیگا۔ ان شاء اللہ

مسئلہ طلاق کو غیر مقلدین نے تختۂ مشق بنایا ہوا ہے، جس کی وجہ سے سیکڑوں سادہ لوح لوگوں کو اپنے دامن تزویر میں پھانسنے کا ایک حربہ استعمال کرتے ہیں۔ تقلید جیسی عظیم نعمت سے محروم کرکے، آزاد منش آدمی بنا کر گمراہی کی گہری دلدل میں ڈال دیتے ہیں۔

اس کے لیے امت مسلمہ کی راہنمائی کے لیے ''عمدۃ الاثاث'' میں قرآن وسنت واجماع امت سے اس مسئلہ کو ایسا واضح فرمایا ہے کہ جس سے صرف لوگوں کے شکوک وشبہات ہی دور نہیں ہوئے، بلکہ ہزاروں افراد، گناہ، حرام کاری سے بچ گئے ہیں اور قرآن وسنت کی صریح مخالفت سے ہٹ کر صحیح سنت کی راہ پر عمل پیرا ہوگئے ہیں۔

سال کے بعد قربانی کا موقع مسلمانوں کو نصیب ہوتا ہے۔ لیکن غیر مقلدین نے اپنی سرشت سے مجبور ہو کر اس کو بھی جنگ وجدل سے تبدیل کردیا ہے۔ اس موضوع پر بھی حضرتؒ نے اپنا مبارک قلم اٹھایا اور ''مسئلہ قربانی'' میں قربانی کی فضیلت اور ایام قربانی کی صحیح وضاحت فرما کر شکوک وشبہات کو دور فرمایا ہے۔

سابقہ مسئلہ کی طرح، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ''مسئلہ تراویح'' کو غیر مقلدین نے اختلاف امت کو ذریعہ بنا رکھا ہے۔ اس مسئلے پر حضرتؒ نے غیر مقلد عالم مولانا غلام رسول کے رسالہ تراویح کا اردو ترجمہ ''ینابیع'' کے نام سے کیا۔ جس میں ثابت کیا گیا کہ تراویح کی بیس رکعت ہیں۔

احمد رضا بریلوی کے اعتراضات کے جوابات علماء دیوبند کی طرف سے ایک متفقہ دستاویز ''المہند علی المفند'' کے نام سے شائع ہوئے، جس سے بریلوی کے تمام جھوٹے الزامات کی تردید ہوئی۔ یہاں سے ایک نئے فرقہ نے جنم لیا اور بزعم خویش دیوبندی کہلوانے کے باوجود غیر مقلدین کی روش اختیار کرتے ہوئے اجماعی عقیدہ ''عقیدہ حیات النبی'' اور ''توسل'' کا انکار کردیا۔ حضرت شیخؒ نے ''**تسکین الصدور، سماع موتٰی، الشہاب المبین**'' وغیرہ میں ان کی خوب خبر لی۔ اور اہل السنّت والجماعت کا اصلی وحقیقی مذہب لوگوں کے سامنے واضح کردیا۔

ہم حضرت شیخؒ کا تعارف نہیں کرپائے۔ کیونکہ مقولہ ہے ''عیاں را چہ بیاں''

جس شخص کو حضرتؒ کی شخصیت کے بارے میں جاننا ہو تو وہ حضرت کی کتب کا مطالعہ کرے، اس کو معلوم ہوجائیگا کہ حضرت شیخؒ کتنی بڑی عظیم عبقری شخصیت کے مالک تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو امام اہل سنت کے علوم وفیوض سے مستفید فرمائے اور ان کی طرح باطل قوتوں کے خلاف سینہ سپر ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم، صلی اللہ علیہ وسلم

محترم نثار معاویہ صاحب، چکوال
خادم خاص: حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ

میرے شیخ و مرشد......تصویر مدنی رحمہ اللہ

قائد اہل سنت، وکیل صحابہ، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

حضرت اقدس کے ساتھ ہمارے خاندان کی نیازمندی:

والد صاحب مرحوم (ملک غلام مہدی اعوان) سرکاری محکمہ میں ملازم تھے، ۱۹۶۰ء میں اُن کا لاہور سے چکوال تبادلہ ہوگیا، اس طرح ہمارا گھرانہ لاہور سے چکوال آ گیا، اس وقت ناچیز کی عمر تقریباً چار سال تھی، دنیاوی تعلیم کا سلسلہ بھی اس کے بعد شروع ہوا، اسی دوران بڑے بھائی ملک فتح مہدی صاحب کا تعلق حضرت اقدس سے ہوگیا، اس کے بعد ناچیز کا بھی مدنی جامع مسجد سے رابطہ اس طرح ہوگیا کہ ناظرہ قرآن مجید پڑھنے کے لیے مدنی مسجد میں بھیجا جانے لگا، ناچیز نے محترم جناب حافظ غلام اکبر صاحب (موہڑہ لسو بھلہ) سے ابتدائی نورانی قاعدہ شروع کیا اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم سے ان ہی سے قرآن مجید ناظرہ مکمل پڑھنے کی توفیق ملی، اس وقت مدنی مسجد کی موجودہ ہیت نہ تھی، بلکہ ایک ہال تھا اور گلی کی طرف دیوار بھی چھوٹی سی تھی، ناچیز کے ذہن میں آج بھی وہ خاکہ محفوظ ہے جب مسجد کو شہید کر کے اس موجودہ حالت میں تعمیر کیا گیا۔ ناچیز کو بھی حتی المقدور اس تعمیر میں خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔

قرآن مجید مکمل پڑھنے کے بعد بھی اس کو کئی بار دہرانے کے لیے مدنی مسجد میں پابندی سے حاضر ہونا پڑتا، اس سلسلہ میں کئی اساتذہ کرام کو قرآن مجید ناظرہ سنانے کی سعادت نصیب ہوئی، مسجد میں حاضری کا شیڈول اس طرح ہوتا کہ فجر کی نماز کے بعد کچھ وقت مسجد میں جا کر سبق سنانا ہوتا، پھر واپس گھر آ کر ناشتہ کر کے سکول آنا ہوتا، سکول سے واپسی پر ظہر کے بعد مسجد جانا ہوتا اور نماز عصر تک قرآن مجید کی پڑھائی ہوتی، بھائی جان کے حکم کے مطابق نماز جمعہ کے لیے ہر حال میں مدنی مسجد میں حاضری لازمی تھی، اس کے علاوہ بھی کوئی تقریب ہوتی تو اس میں شرکت بھی لازمی ہوتی، رمضان المبارک میں نماز تراویح بھی مدنی مسجد میں پابندی سے پڑھی جاتی۔ یہ بات بھی شعور میں محفوظ ہے کہ شروع شروع میں نماز تراویح کے بعد حافظ صاحب نماز تراویح میں جو قرآن مجید تلاوت فرماتے، حضرت اقدس تراویح کی نماز کے بعد ان کے اہم نکات کو درس کی صورت میں مفصل بیان فرماتے، ناچیز کو تو مضمون کی اس وقت سمجھ نہیں آتی تھی، لیکن بھائی جان کے حکم کی وجہ سے آخر وقت تک وہیں بیٹھے رہتے تھے۔ محترمہ والدہ صاحبہ مرحومہ کئی مرتبہ بھائی جان کو کہتیں کہ: ایک تو نماز

تراویح میں اتنا وقت لگ جاتا ہے، پھر حضرت اقدس طویل درس دیتے ہیں، بچوں نے صبح سکول بھی جانا ہوتا ہے، آپ انہیں جلد گھر بھیج دیا کریں، لیکن بھائی جان ان کی بات نہ مانتے تھے، اس طرح مدنی مسجد سے تعلق کافی عرصہ سے قائم تھا اور اسی حوالہ سے حضرت اقدس سے بھی شناسائی تھی، آپ کی عزت واحترام شروع دن سے ہی ہمارے نزدیک بہت زیادہ تھا، لیکن دنیاوی تعلیم اور دیگر مشغولیات کی وجہ سے آپ کے فیض سے محروم تھے۔ محترمہ والدہ صاحبہ مرحومہ کا بھی حضرت اقدس کی اہلیہ محترمہ سے نہایت قریبی تعلق تھا اور آپس میں نہایت گہرے مراسم تھے، ابتداء میں والد صاحب کی سرکاری ملازمت کی وجہ سے کئی شیعہ حضرات سے بھی واسطہ رہا، ان میں مقامی چوہدری برادری اور مہاجرین شیعہ بھی شامل تھے، چونکہ بھائی جان ملک فتح مہدی صاحب کا حضرت اقدس سے قریبی تعلق تھا اور انہیں مطالعے کا بھی شوق تھا اس لیے ان شیعہ حضرات سے مختلف موضوع پر بحث ہوتی رہتی۔ (الحمدللہ جب حضرت اقدس سے تعلق قائم ہوا اور شیعہ حضرات سے قطع تعلقی کی حدیث شریف کا علم ہوا اس وقت سے ہر ایک شیعہ سے ہر قسم کے تعلقات فوراً ختم کر دیئے) حضرت اقدس سے تعلق کا اثر تھا کہ ناچیز کی یاداشت کے مطابق شروع ہی سے ہمارے گھر میں کبھی کوئی ایسا کیلنڈر نہیں لگایا گیا جس پر کسی جاندار کی تصویر ہو، کسی کونے پر چھوٹی سی تصویر بھی ہوتی تو اس تصویر پر کاغذ چپکا کر چھپا دیا جاتا۔

۱۹۷۵ء میں ناچیز گورنمنٹ کالج چکوال میں بی۔اے کے آخری سال میں تھا، اس سال کے صفر کے ماتمی جلوس کے ساتھ مدنی مسجد میں سنیوں کا تصادم ہو گیا اور فائرنگ ہوئی جس سے کئی شیعہ زخمی ہو گئے۔ بھائی جان بھی اس وقت مسجد میں ہی تھے۔ صبح جب ناچیز کالج گیا (دوستوں سے اس طرح طے تھا کہ پہلے سب کالج گیٹ پر اکٹھے ہوتے اور پھر سب مل کر کلاس میں جاتے) ناچیز ایک دو دوستوں کے ساتھ دیگر احباب کا انتظار کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک لڑکا اپنے دوستوں کے ساتھ آ رہا تھا جو شیعہ چوہدری گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور جماعت اول سے ناچیز کا ہم جماعت تھا جب وہ ہمارے قریب سے گزرے تو ناچیز نے انہیں سلام کیا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو اس نے دوسرے لڑکوں کو کہا (جو اس کے ساتھ تھے وہ بھی شیعہ تھے) کہ: اس سے ہاتھ نہ ملاؤ یہ فتح مہدی کا بھائی ہے، یہ کہہ کر وہ ہاتھ ملائے بغیر آگے چلے گئے۔ جب ہم دوست اکٹھے ہو گئے تو ہم بھی کالج چلے گئے، لیکن ناچیز کے اندر عجیب قسم کا لاوہ اُبل رہا تھا۔ کسی کو کیا بتاتا ناچیز کی حالت عجیب تھی، اس لڑکے کی بات دل پر کچوکے لگا رہی تھی، سوچ رہا تھا کہ اگر بھائی جان اس لڑائی میں شریک تھے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ میں تو اس میں شامل نہ تھا! پھر اس نے یہ بات کیوں کی؟ یہی سوچ میرے لیے باعث پریشانی تھی۔

حضرت اقدس سے تھانے میں یادگار ملاقات :

کلاس شروع ہونے کا وقت ہو گیا لیکن ناچیز کلاس میں نہ گیا ناچیز کا دماغ ہی ساتھ نہ دے رہا تھا تو

کس طرح پڑھائی ہوسکتی تھی؟ ناچیز اکیلا گراؤنڈ میں آ کر بیٹھ گیا، کافی دیر بیٹھا سوچتا رہا، آخر اچانک دل میں خیال آیا کہ چلو اس ہستی کی زیارت ہی کر لی جائے جس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا ہے، اس وقت حضرت اقدس تھانے کی عمارت میں تھے اور تھانہ کالج کے بالکل ساتھ تھا، ناچیز اٹھ کر تھانے کی طرف چل دیا تھانے کے گیٹ پر اشتیاق صاحب (جو اس وقت حوالدار تھے اور چکری راجگان، جہلم سے تعلق تھا اس کے بعد ترقی کرتے ہوئے ایس ایچ او بن گئے تھے اور پھر ایک رات ہرڑ چوک نزد ڈھڈیال کے قریب ڈاکوؤں کی گولی لگنے سے ہلاک ہو گئے) ملے، ناچیز سے پوچھا کیسے آئے ہو ناچیز نے حضرت اقدس کا نام لیا کہ انھیں ملنا ہے وہ مزاحاً بولے کہ ابھی تو ایک بھائی کو (فتح مہدی صاحب) نکالا ہے اور اب تم آ گئے ہو۔ ناچیز کے اصرار پر انھوں نے ایک سپاہی کو کہا کہ اسے حضرت اقدس کے پاس چھوڑ آؤ۔ مرکزی دروازے سے داخل ہو کر سیدھے ہاتھ مڑ کر چوتھے کمرے میں وہ مجھے لے گیا، کمرے میں چارپائی پر صاحبزادہ قاضی ظہور الحسین اظہر صاحب مدظلہ تشریف فرما تھے اور قاری رفیق صاحب ((ڈھوک چھچھ والے جو جہلم ہوتے ہیں) کھانا لے کر آئے بیٹھے تھے، ناچیز کے استفسار پر انھوں نے بتایا کہ حضرت اقدس ابھی آ جاتے ہیں آپ تشریف رکھیں، ناچیز ان کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گیا، تھوڑی دیر بعد حضرت اقدس تشریف لائے ناچیز پر نظر پڑتے ہی دریافت فرمایا کہ: یہ کون ہے؟ قاضی ظہور حسین صاحب نے تعارف کرایا کہ یہ فتح مہدی صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں، حضرت اقدس نے مسکراتے ہوئے حال احوال دریافت فرمایا اور کھانا کھانے کے لیے فرمایا، ناچیز نے کھانے سے معذرت کی تو آپ نے فرمایا کہ انہیں کھانے کے لیے مالٹے اور کیلے دیدو، قاری رفیق صاحب نے پاس پڑے ہوئے مالٹے اور کیلے کھانے کے لیے دیئے حضرت اقدس کی وہ سحر انگیز مسکراہٹ آج بھی ذہن کے دریچوں میں محفوظ ہے۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

غذا میں سادگی......اور......دوسروں کا خیال :

جو کھانا حضرت اقدس کے لیے گھر سے لایا گیا تھا اسے دیکھ کر بڑی حیرانگی ہوئی کالے چنے اور شوربہ جس میں گھی کا نام ونشان ہی نہ تھا، آپ نے تھوڑی سی روٹی تناول فرمائی، اس وقت تو یہ منظر بڑا عجیب محسوس ہوا، لیکن بعد میں جب حضرت اقدس کے معمولات سے آگاہی ہوئی تو واضح ہوا کہ یہ تو آپ کا روزانہ کا معمول ہے۔ دوسرے دن آپ کو آپ کے کہنے پر دوسرے ساتھیوں کے پاس حوالات میں بھیج دیا گیا جو تھانے کے سامنے ہی تھی اور آپ نے اپنا علیحدہ کھانا گھر سے منگوانا بھی بند فرما دیا (شاید کسی کو یہ خیال میں نہ آئے کہ اپنے لئے گھر سے اچھا کھانا منگواتے ہیں، باقی احباب کے لیے مسجد سے کھانا پک کر آتا ہے، اس لیے اس تفریق کو مٹانے کے لیے گھر سے منع فرما دیا اور جتنی طلب ہوتی دوسرے احباب کے ساتھ ہی تناول فرما لیتے) اللہ تعالیٰ کی خصوصی نصرت سے حوالات کے انچارج ملک محمد حسین صاحب جو کہ نکہ تحصیل جہلم کے

تھے، سے بھی تعارف راجہ اشتیاق صاحب نے کرادیا، اس طرح کافی سہولت رہی، جب بھی جی چاہتا حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوجاتا، ضابطہ تو یہ تھا کہ درخواست لکھ کرا ے سی صاحب سے اجازت لینا پڑتی تھی جو کہ کافی مشقت طلب کام تھا اور وہ بھی مخصوص وقت کے لیے ایک مرتبہ ہی ملاقات ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ کی خصوصی نصرت سے ناچیز کے لیے حضرت اقدس سے ملاقات میں بہت آسانی ہوگئی، جیل میں احباب کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ناچیز کو بتادیتے اور ناچیز ان کی ضرورت کی اشیاء لے آتا، دن میں کئی بار آنا جانا لگا رہتا، یہ بھی حضرت اقدس کی کرامت ہی تھی ورنہ اس ناچیز کی کیا حیثیت ہے؟

وائس پرنسپل کی شرارت......اور......''سنی تحریک طلبہ'' کی بنیاد :

اسارت کے دوران کالج کے کئی طلبہ کو بھی حضرات اقدس سے ملاقات کرائی، رہائی کے بعد بھی آپ سے مسلسل رابطہ رہتا آپ کے حکم پر کالج میں ''سنی تحریک طلبہ'' کی بنیاد رکھی گئی۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے خصوصی نصرت فرمائی ہم سے پہلے شیعہ نے ''امامیہ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن''(I.S.O) کی بنیاد کالج میں رکھ دی تھی اور خفیہ طور پر شیعہ، طلبہ اور ناسمجھ سنی طلبہ سے بھی رکنیت فارم پُر کرا رہے تھے، لیکن اس کا ثبوت نہیں مل رہا تھا، ان کی پشت پناہی کالج کا وائس پرنسپل کر رہا تھا جو کہ چکوال کا ہی تھا اور متعصب بھی تھا اور ذاکر بھی تھا، شیعہ طلبہ نے ایک فارم ناچیز کے ہم جماعت چوہدری مبارک علی مرحوم ولد چوہدری اورنگ زیب صاحب (جو علی مسجد، جہلم روڈ کے پاس رہتے ہیں) کو بھی دیا چونکہ ان کے محلّہ میں چوہدری خاندان کے کافی شیعہ رہتے ہیں اور ان کے والد سے ان کے کافی مراسم بھی تھے اس لیے انہیں بھی رکنیت فارم دیا گیا، چونکہ اس وقت کالج میں تقابل کی فضا بن گئی تھی اور سنی نوجوانوں کے ذہن میں یہ باتیں اُبھر رہیں تھیں، چوہدری مبارک علی مرحوم نے ناچیز سے اس کا تذکرہ کیا، ناچیز نے حضرت اقدس سے مشورہ کر کے رکنیت فارم کا فوٹو اسٹیٹ کروالیا اور فارم واپس کردیا فارم پر'' آئی۔ ایس۔ او'' گورنمنٹ کالج چکوال یونٹ کی مہر ثبت تھی۔

جب ''سنی تحریک طلبہ'' کی سرگرمیاں تیز ہوئیں تو پرنسپل صاحب نے وائس پرنسپل کے کہنے پر سختی کرنی شروع کردی، وائس پرنسپل نے کہا یہ کالج کی فضا کو فرقہ واریت کی ہوا سے خراب کرنا چاہتے ہیں لیکن جب حضرت اقدس نے پرنسپل کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا تو اس نے کہا کہ آپ'' آئی۔ ایس۔ او'' کا رکنیت فرم مجھے دے دیں اس کو جواز بنا کر کوئی اقدام اٹھاؤں گا، کالج کی میٹنگ میں جب بات ہوئی تو وائس پرنسپل نے ''سنی تحریک طلبہ'' پر فرقہ واریت کا الزام لگایا اور اس کا انکار کیا کہ'' آئی۔ ایس۔ او'' کا کوئی وجود نہیں ہے، لیکن جب پرنسپل صاحب نے اس کے سامنے رکنیت فارم رکھا تو وہ لاجواب ہو کر خاموش ہوگیا۔

(اس سال طلبہ یونین کا صدر شیعہ تھا جسے ہم سب نے کوشش کر کے کامیاب کرایا تھا لیکن وہ اندرون خانہ اپنا مذہبی کام کرتا رہا، کالج کی لائبریری میں شیعہ عقیدہ کی کتابیں رکھوائی گئیں۔)

پرنسپل صاحب کی اس میٹنگ کے بعد سنی طلبہ کی طرف سے مطالبہ کیا گیا کہ ہمارے عقیدہ کی کتب بھی لائبریری میں رکھی جائیں، آخر اس کی بھی اجازت دیدی گئی، ناچیز نے حضرت اقدس سے کتب کے نام لکھوائے، پھر وہ فہرست کالج انتظامیہ کو سنی طلبہ کی طرف سے پیش کی گئی الحمدللہ وہ کتب بھی کالج کی طرف سے خرید کر لائبریری میں رکھی گئیں۔

والد صاحب کی کوشش......اور......ناچیز کا بینک ملازمت سے انکار :

جب ناچیز نے بی اے کا امتحان دیدیا تو والد صاحب نے یونائیٹڈ بینک میں ملازمت کے لیے کسی سے سفارش کرائی اور ناچیز کو وہاں ملازمت کرنے کے لئے کہا، ناچیز نے حضرت اقدس سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ سودی نظام کی وجہ سے یہ ملازمت جائز نہیں، جب میں نے والد صاحب کو کہا کہ چونکہ شریعت کی رو سے بینک کی ملازمت جائز نہیں ہے اس لیے میں یہ ملازمت نہیں کروں گا، والد صاحب نے ناچیز کو قائل کرنے کیلئے کافی باتیں کیں لیکن ناچیز اس بات کا حضرت اقدس سے دریافت کر کے جواب دیتا، اس کے ساتھ حضرت اقدس یہ بھی فرماتے کہ اس بات کا خصوصی خیال رہے کہ والدین کے ساتھ ایسے رویہ کا بالکل اظہار بھی نہ ہو جس سے ان کی شان میں معمولی گستاخی یا نافرمانی کا شائبہ ہو۔ان کا ادب واحترام ملحوظ رکھ کر نہایت نرمی سے انہیں عرض کریں کہ چونکہ یہ ملازمت شرعی طور پر ناجائز ہے اس لیے آپ اس کے لیے مجبور نہ فرمائیں ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ کسی اور ذریعہ سے معاش کا انتظام فرما دیں گے۔حضرت اقدس کی توجہ اور شفقت سے اللہ تعالیٰ نے اس ابتلاء سے سرخرو فرمایا اور والد صاحب بھی کچھ دنوں بعد حضرت اقدس کے فرمان کے مطابق رضامند ہو گئے۔

حضرت کی وساطت سے کراچی میں ملازمت :

انہی دنوں کراچی سے حاجی لال حسین صاحب تشریف لائے حضرت اقدس کے ساتھ ان کے نہایت قریبی مراسم تھے، ناچیز کو معلوم ہوا کہ وہ کراچی میں کسی فرم میں اعلیٰ عہدے پر ہیں، ناچیز نے اس کے متعلق حضرت اقدس سے عرض کیا، حضرت اقدس کے فرمانے پر حاجی لال حسین نے ناچیز کو کراچی بلالیا۔ان کی فرم کا بندرگاہ پر تجارتی مال درآمد، برآمد کا کام تھا، ناچیز وہاں ملازمت کرنے لگ گیا، اس دوران حضرت اقدس سے خطوط کے ذریعے رابطہ رہا۔ناچیز ۱۹۷۵ء کے آخر میں کراچی گیا۔

حضرت اقدس کا پہلا سفر حج :

۱۹۷۷ء میں حضرت اقدس پہلی مرتبہ حج کے سفر پر جانے کے لیے کراچی تشریف لائے، اس وقت حجاج کے لیے ہوائی جہاز کی پروازیں صرف کراچی سے روانہ ہوتی تھیں، حضرت اقدس کی رہائش حاجی لال

حسین صاحب کے ہاں تھی جو کہ اردو سائنس کالج گلشن اقبال کے ساتھ تھی، ناچیز کو ان چند دنوں میں حضرت اقدس کے ہمراہ رہنے اور خصوصی خدمت کرنے کا موقع نصیب ہوا، روانگی سے قبل آپ کا سامان حاجی کیمپ پہنچایا۔ حضرت اقدس کو ائیر پورٹ رہائش گاہ سے ہی جانا تھا۔ آپ نے روانگی سے قبل غسل فرمایا اور گھر پر ہی احرام باندھا، نوافل پڑھ کر نیت کی، اس کے بعد آپ نے دعا مانگی، اس وقت ناچیز اکیلا ہی آپ کے ساتھ کمرہ میں تھا۔ دعا کے دوران آپ پر اتنی رقت طاری تھی کہ بدن میں کپکپاہٹ واضح محسوس ہو رہی تھی، آپ کافی دیر تک دعا میں مشغول رہے، پھر وہاں سے ائیر پورٹ کے لیے کار میں روانگی ہوئی۔ وہاں بھی کافی احباب زیارت اور ملاقات کے لیے آئے ہوئے تھے، آپ کے دوسرے رفقاءِ سفر بھی وہاں پہنچے ہوئے تھے، حضرت اقدس سب سے مل کر وقت مقررہ پر لاؤنج میں تشریف لے گئے۔

حضرت کی حج سے واپسی اور راقم کا حضرت کے ہمراہ سفر :

حج سے واپسی پر بھی ہم ائیر پورٹ پر استقبال کے لیے حاضر تھے جب آپ لاؤنج سے باہر تشریف لائے تو آپ کے رفقاء سے آپ کا سامان لے کر گاڑی میں رکھا اور آپ پھر حاجی لال حسین صاحب کی رہائش گاہ پر تشریف لے آئے، چونکہ محرم کا مہینہ شروع ہو چکا تھا اور چکوال کے حالات کچھ مخدوش تھے اس لیے حضرت اقدس نے حاجی لال حسین صاحب سے کچھ مشورہ فرمایا اور یہ طے ہوا کہ ناچیز حضرت اقدس کے ساتھ ہوائی جہاز کے ذریعہ کراچی سے لاہور جائے، رات تقریباً گیارہ بجے والی پرواز میں نشستیں بک کرائی گئیں تھیں، حضرت اقدس کے ہمراہ ناچیز خادم بھی ائیر پورٹ پر آیا ائیر پورٹ پر ضابطہ کی کاروائی مکمل کرنے کے بعد سامان بک کرا کے ناچیز آپ کی معیت میں لاہور روانگی کے لیے جہاز پر سوار ہوا، روانگی کے بعد جہاز کے عملہ نے پہلے جوس سے تواضع کی آپ نے اپنی پسند سے آگاہ فرمایا تو وہ لے کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، اس کے بعد عملہ نے چائے اور بسکٹ سے تواضع کی، اتنی دیر میں لاہور پہنچنے کا اعلان ہو گیا، ائیر پورٹ پر آ کر سامان حاصل کیا اور ائیر پورٹ سے باہر آ گئے۔

پروگرام کے متعلق از خود دریافت کرنے کی ضرورت نہ تھی نہ ہی ناچیز حضرت اقدس کے ذاتی معاملات میں مداخلت کو اچھا سمجھتا تھا، جس کام کے متعلق حکم ہوتا اسے ہی کرنا اپنے حق میں بہتر خیال کرتا تھا۔ ائیر پورٹ کے باہر کوئی آدمی بھی حضرت اقدس کے استقبال کے لیے موجود نہ تھا اس سے ناچیز یہی سمجھا کہ یہ آپ کی منشاء کے مطابق ہی ہوگا ورنہ لاہور شہر میں آپ کے متوسلین کی بہت بڑی تعداد ہے۔

آخر کار حضرت اقدس نے ہی اس خاموشی کو توڑا اور ناچیز کو فرمایا کہ: گوجرانوالہ کے لیے کرایہ کی کار کا انتظام کریں! ناچیز نے ایک کار والے سے معاملہ طے کر کے سامان اس میں رکھا اور حضرت اقدس کے ساتھ گوجرانوالہ کی طرف روانہ ہو گیا، حضرت اقدس گوجرانوالہ میں اپنے برادر نسبتی حاجی شبیر صاحب کے

ہاں سیٹلائٹ ٹاؤن تشریف لے گئے وہاں جا کر معلوم ہوا کہ حضرت اقدس کے سارے اہل خانہ وہاں آئے ہوئے ہیں، کچھ دیر بعد حضرت اقدس نے ناچیز کو فرمایا کہ: آپ کو یہاں سے چکوال جانا ہوگا، آپ وہاں جا کر محترم حافظ غلام اکبر صاحب اور ناظم دفتر حاجی احمد حسین صاحب (مرحوم) کو کل یہاں بھیج دیں لیکن یہ کام نہایت راز داری سے ہو! حضرت اقدس نے فرمایا اب آپ آرام کریں اور علی الصبح چکوال کے لیے روانہ ہو جائیں، ناچیز نے عرض کیا کہ مجھے کوئی تھکاوٹ نہیں اگر آپ اجازت دیں تو ابھی چکوال کے لیے روانہ ہو جاؤں تا کہ احباب جلد از جلد آپ کے پاس پہنچ جائیں؟ آپ نے اجازت مرحمت فرمائی، میں وہاں سے بسوں کے اڈے پر آ گیا اور اس طرح صبح چکوال پہنچ گیا۔

چکوال میں حضرت اقدس کا حج سے واپسی کا شدت سے انتظار ہو رہا تھا مجھ سے دریافت کیا گیا تو میں نے عرض کیا کہ: ''مجھے تو حاجی لال حسین صاحب نے ایک کام کے سلسلہ میں لاہور بھیجا ہے، میں وہاں سے کام کر کے آ رہا ہوں۔'' پھر حضرت اقدس کا پیغام مذکورہ احباب کو پہنچا دیا۔

جس دن ماتمی جلوس مسجد کے سامنے سے گزرنا تھا اس دن صبح سویرے ناظم دفتر حاجی احمد حسین صاحب نے مجھے بلایا اور کہا کہ حضرت اقدس کا آپ کے لیے پیغام ہے کہ آپ جماعتی ویگن کے ساتھ گوجرانوالہ آ جائیں ناچیز جماعتی ڈرائیور منظور صاحب جو تلہ گنگ کے تھے، ان کے ساتھ گوجرانوالہ آ گیا، اس دن جمعرات تھی، حضرت اقدس نے چکوال جمعۃ المبارک کو علی الصبح روانگی کا پروگرام بنایا، اس طرح ہم تقریباً دن گیارہ بجے کے قریب چکوال پہنچے جب چکوال شہر شروع ہوا اور ویگن علی مسجد جہلم روڈ کے قریب پہنچی تو حضرت اقدس نے ناچیز کو فرمایا کہ آپ یہاں اتر جائیں (اس وقت چکوال شہر کی آبادی تقریباً اس کے بعد شروع ہوتی تھی) اس طرح حضرت اقدس اپنے اہل خانہ کے ساتھ اکیلے مدنی مسجد کی طرف روانہ ہو گئے، ناچیز نے خیال کیا کہ چونکہ آپ کے حکم کے مطابق راز داری کی وجہ سے کسی کو کچھ نہ بتایا تھا، اس لیے آپ نے خیال فرمایا کہ: اس طرح ناچیز کے ساتھ جانے سے دیکھنے والوں کو اعتراض کا موقع ملے گا اس لیے ناچیز کو راستے میں اتار کر اکیلے مدنی مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت اقدس کا دوسرا سفر حج :

۱۹۷۹ء میں حضرت اقدس پھر حج کے مبارک سفر کے لیے کراچی تشریف لائے، حسب سابق حاجی لال حسین صاحب کے ہاں قیام ہوا، لیکن واپسی میں تاخیر ہو گئی، کیونکہ اس سال مکہ مکرمہ میں حرم شریف پر جعلی امام مہدی اور اس کے گروہ نے قبضہ کر لیا تھا اور بہت نقصان ہوا تھا اسی وجہ سے تمام حجاج کا واپسی کا پروگرام متاثر ہوا تھا، کچھ دن بعد حضرت اقدس رفقاء کے ہمراہ بخیریت واپس تشریف لے آئے۔

(جاری ہے۔۔۔)

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

زبیر علی زئی کا تعاقب

(......قسط 8......)

ماہنامہ ''الحدیث'' شمارہ 90 میں شائع شدہ ایک مضمون کا جواب

غزالی سے صدیوں پہلے امام سفیان بن سعید الثوری، شریک بن عبداللہ القاضی اور حسن بن صالح نے فرمایا: ادرکنا اباحنیفة و مایعرف بشیٔ من الفقه......''

۵۵ ہم نے ابوحنیفہ کو پایا ہے (یعنی دیکھا ہے) اور وہ فقہ میں سے کسی چیز کے ساتھ بھی مشہور نہیں تھے۔ الخ (کتاب السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۳۳۸، تاریخ بغداد ۱۳/۴۳۱ وسندہ ۵۶ صحیح)

اس کے بنیادی راوی یحییٰ بن آدم ثقہ حافظ فاضل ہیں۔ (تقریب التہذیب ۷۴۹۶)

یحییٰ بن آدم کے شاگرد احمد بن محمد بن یحییٰ بن سعید القطان صدوق وثقہ تھے۔ (دیکھیے کتاب الجرح والتعدیل ۲/۴۷، الثقات لابن حبان ۸/۳۸-۳۹)

احمد بن محمد سے اس روایت کو عبداللہ بن احمد بن حنبل اور قاضی حسین بن اسماعیل المحاملی (دو ثقہ راویوں) نے بیان کر رکھا ہے۔

میں تو ایک ناقل ہوں، لہٰذا میرے ان حوالوں پر غصہ ۵۷ نہ فرمائیں بلکہ اپنی اداؤں ۵۸ پر غور کریں اور امام شافعی کو علماء و مجتہدین کی صف سے ۵۹ نکال کر جہلاء ۶۰ و مقلدین میں شمار نہ کریں۔

۵۵

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقاہت

ان حضرات کی یہ بات دیگر محدثین بلکہ خود آل غیر مقلدیت کی تصریحات کے خلاف ہے جیسا کہ آگے باحوالہ یہ بات آرہی ہے اور اگر ان بزرگوں کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فقاہت میں مشہور نہیں تھے۔۔۔۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ فقیہ نہ تھے۔ اگر کوئی شخص کسی فن میں ماہر ہو مگر مشہور نہ ہو تو اس عدم شہرت کی وجہ سے اس کی فنی مہارت میں کوئی نقص نہیں آتا۔ کسی کے کامل ہونے کے لیے مشہور ہونا ضروری نہیں اس دور میں بھی جتنی نعت خوانوں اور خطیبوں کی شہرت ہے اتنی بڑے سے بڑے ''شیخ الحدیث'' کی نہ ہوگی لیکن اس عدم شہرت کی وجہ سے اس کے منصب میں کوئی کمی

واقع نہیں ہوتی۔

اتنی گزارش کے بعد ہم کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نعمان علیہ الرحمۃ والرضوان کی فقاہت یا ان کا فقیہ ہونا مشہور و معروف ہے بلکہ خود آل غیر مقلدیت کو بھی یہ بات تسلیم ہے۔

نواب صدیق حسن صاحب غیر مقلد فرماتے ہیں:

''حضرت امام اعظم، عالم، عابد، زاہد، متورع، متقی، دائم التضرع الی اللہ تعالیٰ اور کثیر الخشوع تھے امام شافعی فرماتے ہیں کہ جو شخص فقہ میں تبحر حاصل کر لے وہ عیال ابوحنیفہ میں داخل ہے امام صاحب کے تحفظ دین و ورع وغیرہ میں کوئی شک نہیں ہے'' (مآثر صدیقی حصہ چہارم صفحہ ۸)

محمد یوسف جے پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''وہ حالات ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ جو افراط وتفریط سے محفوظ ہوں اس کو جناب امامؒ (ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کی کسر شان پر محمول نہ فرمائیں ورنہ میرے نزدیک تو آپ اس سے بھی بڑھ کر ہیں جیسا کہ امام ذھبی نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ مطبوعہ دائرۃ المعارف صفحہ ۱۵۱ میں نقل فرمایا ہے: حضرت ابوحنیفہؒ بڑے امام ہیں، عراق کے فقیہ ہیں، آپ امام تھے عبادت کرنے والے، بڑی شان والے تھے، ابن مبارکؒ نے کہا بڑے فقیہ تھے لوگوں میں۔ امام شافعی نے فرمایا کہ لوگ عیال تھے فقہ میں ابوحنیفہ کے۔ کہا یزید نے کہ نہیں دیکھا میں نے کسی کو زیادہ پارسا اور عقل والا امام ابوحنیفہؒ سے'' (حقیقۃ الفقہ صفحہ ۱۸۳)

محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ ثقہ ہیں یعنی نہایت متقی، پرہیزگار، دیانت دار اور فقہ میں امام ہیں مگر۔۔۔'' (خیر الکلام صفحہ ۶۲)

عبدالمجید سوہدری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''امام صاحب علیہ الرحمۃ تفقہ فی الدین یعنی علم و فقہ میں سب سے پیش پیش تھے، استنباط و استخراج مسائل میں جہاں آپ کا دماغ پہنچ جاتا تھا بہت کم کسی کی رسائی وہاں تک ہوتی تھی جو بات عین وقت پر آپ کو سوجھ جاتی کسی کو نہ سوجھتی تھی'' (سیرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ صفحہ ۲۴)

عبدالمنان نورپوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ۔۔۔۔کتنے بڑے عالم اور فقیہ بزرگ ہیں اور متقی نیک و پرہیزگار بھی ہیں زمانہ بھی ان کا رسول اللہ ﷺ سے قریب ہے'' (مقالات نورپوری صفحہ ۳۸۱)

حکیم محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’آپ نے فقہ کا علم حماد بن ابی سلیمانؒ سے حاصل کیا اور حدیث عطاء بن ابی رباحؒ، ابو اسحاق، محمد منکدرؒ، ہشام بن عروہؒ، نافع مولا ابن عمر وغیرھم سے سماعت کی‘‘ (سبیل الرسول صفحہ ۲۷)

یحیٰ گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’امام الفقہاء ابو حنیفہ فقاہت میں لاثانی، تقویٰ وورع میں بے مثال، حدیث پہ عمل کرنے، ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم سمجھنے والے تھے‘‘ (مقلدین ائمہ کی عدالت میں صفحہ ۱۰۳)

گوندلوی صاحب دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

’’امام صاحب ایک معروف فقیہ ہیں جن کے آج بھی لاتعداد مقلد ہیں‘‘ (داستان حنفیہ صفحہ ۳۹)

علی زئی صاحب! غور فرمائیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فقیہ ہونے میں معروف ہیں یا نہیں؟

ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’ہمیں نہ اصولاً اس سے اختلاف ہے کہ تفقہ اور تفہیم میں ائمہ مجتہدین کا اپنا اپنا مقام ہے اور نہ امام ابو حنیفہؒ کے تفقہ ہی سے انکار ہے‘‘ (اسباب اختلاف الفقہاء صفحہ ۸۵)

پروفیسر طالب الرحمٰن غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’امام ابو حنیفہؒ (جن کا نام نعمان بن ثابت ہے) کو فقیہ العراق تسلیم کیا گیا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک: الناس فی الفقہ عیال ابی حنیفة: لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے محتاج ہیں‘‘ (اصلی نماز حنفی صفحہ ۱۵)

پروفیسر صاحب دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

’’فقہ میں ابو حنیفہ وشافعی وغیرہ امام ہیں‘‘ (آیئے عقیدہ سیکھئے صفحہ ۲۸۹)

محمد اسحاق بھٹی غیر مقلد، تدوین فقہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’اس ضمن میں حضرت امام ابو حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی سرفہرست نظر آتا ہے وہ پہلے جلیل القدر بزرگ ہیں جو اقتدار بنو امیہ کے خاتمے کے بعد اپنے تلامذہ کی ایک بہترین جماعت کے ساتھ تدوین فقہ میں مصروف ہو گئے‘‘ (برصغیر میں علم فقہ صفحہ ۳۲)

بھٹی صاحب دوسری جگہ اہلحدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

’’وہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فراست فقہی، فطانت علمی اور اجتہادی صلاحیتوں کا دل کی گہرائیوں سے اعتراف کرتے ہیں اور جس نہج سے انہوں نے قصر فقاہت کو ہم کنار رفعت کیا وہ ان کی ذہانت اور علم و دانش کی گہرائی و گیرائی کا بین ثبوت ہے، یہی وجہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں اہلحدیث کے مدارس میں ہمیشہ باقاعدہ فقہ حنفی داخل نصاب رہی ہے اور اسکی تعلیم و تدریس کو اہلحدیث کے ہاں ہر دور میں سمجھنے کی

سعی کی گئی ہے یہ ایک تسلسل ہے جو ابتدا سے اب تک جاری ہے'' (برصغیر میں اہلحدیث کی آمد صفحہ ۱۶۶)

غیر مقلدین کے رسالہ ''الاعتصام'' میں لکھا ہے:

''امام ابوحنیفہؒ جلیل القدر امام اور فقیہ تھے ۸۱ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ زہد، تقویٰ، ذکاوت و فطانت میں بلند مرتبہ پر فائز تھے ۱۵۰ھ میں آپ نے بغداد میں انتقال کیا۔ پروفیسر ابوزہرہ مرحوم نے امام ابو حنیفہؒ کے حالات، عمیق اجتہادات اور تفقہ پر ایک علمی کتاب (بہ عنوان حیات امام ابوحنیفہ، ناقل) لکھی''

(الاعتصام اشاعت خاص بیاد بھوجیانی صفحہ ۸۴۴)

محمد طارق خان غیر مقلد لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا زہد و تقویٰ اور فقاہت بہر حال اپنی جگہ ہے۔'' (تبلیغی جماعت، ص:۱۸۱)

صلاح الدین یوسف غیر مقلد لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عظمت و فقاہت مسلم ہے اس میں دو رائے نہیں'' (مقدمہ، الاصلاح صفحہ ۱۵)

خود زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''پانچویں صدی ہجری سے لے کر بعد والے زمانوں میں عام اہلحدیث علماء (محدثین) کے نزدیک امام ابوحنیفہ فقہ کے ایک مشہور امام تھے اور یہی راجح ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ''فقیہ مشہور'' یعنی امام ابوحنیفہ مشہور فقیہ تھے'' (توضیح الاحکام جلد ۱ صفحہ ۱۸۸)

علی زئی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بہت احترام کرتے ہیں، انہیں نیک اور اہل الرائے کا فقیہ سمجھتے ہیں'' (علمی مقالات جلد ۴ صفحہ ۲۱۸)

علی زئی صاحب کے ہاں جب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فقیہ بلکہ فقہ کا امام ہونا راجح ہے تو ان کے نقل کردہ حوالہ ''وہ فقہ میں سے کسی چیز کے ساتھ بھی مشہور نہیں تھے'' کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

غیر مقلدین کی درج ذیل کتابوں میں بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ''فقیہ'' تسلیم کیا گیا ہے۔

(التاج المکلل صفحہ ۹۳ ترجمہ نمبر ۱۱۹۔ حقیقۃ التقلید و اقسام المقلدین صفحہ ۶۰۔)

آخر میں غیر مقلدین کے معتمد علیہ حضرات کے چند حوالے ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''کماان ابا حنیفة وان کان الناس خالفوه فی اشیاء وانکر وها علیه فلایستریب احد فی فقهه وفهمه وعلمه وقد نقلوا عنه اشیاء یقصدون الشناعة علیه وهی کذب علیه قطعاً مثلاً مسئلة الخنزیر البری ونحوها۔

مثلاً امام ابوحنیفہ کی شخصیت دیکھئے کہ اگرچہ لوگوں نے ان کے ساتھ بہت سی چیزوں میں مخالفت کی ہے اوران کی وجہ سے ان پر انکار بھی کیا ہے مگر کوئی شخص ان کی فقاہت،فہم اور علم میں شک نہیں کرسکتا اور لوگوں نے محض ان کی عیب جوئی کرتے ہوئے ان کی طرف کچھ ایسی چیزیں بھی منسوب کی ہیں جو قطعی طور پر جھوٹ ہیں جیسے جنگلی خنزیر کا حلال ہونا وغیرہ''(منہاج السنۃ جلد ا صفحہ ۲۵۹ بحوالہ مقام ابی حنیفہ صفحہ ۲۵۲)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ زبیر علی زئی صاحب کے نزدیک مخالف تقلید تھے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے متعلق لکھا:

''الامام ،فقيه العراق ،احد الائمة الاسلام۔۔۔''(البدایۃ والنھایۃ جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۷)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کو بھی غیر مقلدین مخالف تقلید کہتے ہیں مثلاً دیکھئے نور العینین صفحہ ۲۶۔

علامہ ذھبی رحمہ اللہ،امام صاحب کو''الامام الاعظم ،فقیہ العراق ،امام ،متورع ،عالم ،عامل ،متقی اور کبیر الشان'' لکھتے ہیں۔(تذکرۃ الحفاظ،ج:۱،ص:۱۵۸)

ذہبی کا شمار محدثین میں ہے اور غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ محدثین کسی کے مقلد نہیں ہیں۔

مؤرخ ابن خلدون امام صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ومقامه فى الفقه لا يلحق شهدله بذالك اهل جلد ته و خصو صا مالك و الشافعى۔

فقہ میں ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ کوئی دوسرا ان کا نظیر نہیں ہوسکتا اور ان کے ہم عصر علماء نے ان کی اس فضیلت کا اقرار کیا ہے خصوصاً مالک اور شافعی نے''(مقدمہ صفحہ ۴۴۷)

یہ وہی ابن خلدون ہیں جن کی عبارت''ابو حنيفة رضى الله عنه يقال بلغت روایاته الى سبعة عشر حديثاً'' کو غیر مقلدین نقل کرکے اپنا من پسند مطلب بیان کیا کرتے ہیں دیکھئے،

(حقیقه الفقه صفحہ ۸۸ وغیرہ۔)

فائدہ: بطور فائدہ عرض ہے کہ کسی صاحب علم کو''غیر فقیہ،فقیہ نہ ہونا'' کہنا غیر مقلدین کے نزدیک گستاخانہ اور توہین آمیز کلمہ ہے۔

صلاح الدین یوسف غیر مقلد لکھتے ہیں:

''محدثین کرام رحمہم کو فقاہت سے عاری محض ایک عطار کہنا۔۔۔۔خلاف واقعہ اور توہین ہے''

(مقدمہ،الاصلاح صفحہ ۶۸)

عبدالرؤف سندھو غیر مقلد لکھتے ہیں:

''سب سے پہلے یہ بات (کہ سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فقیہ نہیں ہیں،ناقل)ابراہیم نخعی نے کہی

جب کہ ان کو غیر فقیہ کہنا ان کی اہانت ہے'' (احناف کی چند کتب پر ایک نظر صفحہ ۱۹۲)

سلطان محمود جلالپوری غیر مقلد نے غیر فقیہ لفظ کی تعبیر ''کم عقل'' سے کی ہے۔

(مولانا سلطان محمود محدث جلالپوری صفحہ ۱۲۴)

پروفیسر عبداللہ بہاولپوری غیر مقلد نے غیر فقیہ کا مطلب ''غیر سمجھدار'' بیان کیا ہے۔

(رسائل بہاولپوری صفحہ ۵۴۸)

جب آل غیر مقلدیت کے نزدیک غیر فقیہ کا مطلب کم عقل، غیر سمجھدار اور گستاخی وتوہین پر مبنی لفظ ہے تو کسی غیر مقلد کا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ''فقیہ نہ ماننا یا غیر فقیہ کہنا'' کیا شمار ہوگا؟ علی زئی صاحب ہی فیصلہ فرمادیں۔

۵۶

۱......عبدالرحمان مبارکپوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''والمعلوم ان حسن الاسناد او صحته لا یستلزم حسن الحدیث او صحته ۔اور یہ بات معلوم ہے کہ سند کا حسن یا صحیح ہونا حدیث کے حسن یا صحیح ہونے کو مستلزم نہیں''

(ابکار المنن صفحہ ۲۲۵ بحوالہ غیر مقلدین کے لیے لمحہ فکریہ صفحہ ۱۲۵)

عبدالمنان نورپوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''سند صحیح یا حسن ہونے کو حدیث یا اثر کا صحیح یا حسن ہونا لازم نہیں'' (مکالمات نورپوری صفحہ ۳۳۰)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''سند کے صحیح ہونے سے اثر کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا'' (ایضاً صفحہ ۳۴۸)

ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ابھی ہم ذکر کر آئے ہیں کہ اسنادہ حسن کہنے سے حدیث کا حسن ہونا لازم نہیں آتا، علم حدیث کے کسی طالب علم سے یہ بات مخفی بھی نہیں'' (توضیح الکلام صفحہ ۷۰۶)

علی زئی صاحب نے مذکورہ کتاب ''توضیح الکلام'' کو ''لاجواب'' قرار دیا۔ (نور العینین صفحہ ۴۷)

۲......اگر ہم سند کے ساتھ متن کی صحت تسلیم کرلیں تو اوپر حاشیہ نمبر ۵۵ میں مذکور ہو چکا کہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ فقہ میں مشہور نہ تھے۔۔۔۔اور کامل ہونے کی صورت میں مشہور نہ ہونا عیب نہیں۔

۳......اور یہ بھی فرض کرلیں کہ ان کی مراد یہ ہے کہ وہ فقیہ نہ تھے۔۔۔۔تو ان کی یہ بات مرجوح ہے خود علی زئی صاحب لکھ چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ''فقیہ ہونا'' راجح ہے، دیکھئے حاشیہ نمبر ۵۵۔

۵۷
گستاخان ائمہ عبرت حاصل کریں۔

ٹھیک ہے جی، ہم غصہ نہیں ہوتے، اب کچھ واقعات ونصائح ہم نقل کرتے ہیں آپ بھی غصہ نہ ہونا، اپنے اصول کے پیش نظر ہمیں ناقل ٹھہرا کر طعن وتشنیع سے بری الذمہ سمجھنا البتہ اپنی اداؤں پہ نظر ثانی ضرور کرتے رہنا۔

وکیل اہلحدیث محمد حسین بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

''سلف پر طعن کرنا شعبہ رفض ہے ہمارے شیخ اور شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب مرحوم محدث دہلوی اوران کے شیخ مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم فرمایا کرتے اوران کے اقوال طبع ہوکر شائع ہوچکے ہیں کہ جو شخص امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ ائمہ مجتہدین کو بُرا کہتا ہے وہ چھوٹا رافضی ہے ہمارا بھی یہی مقولہ اوراعتقاد ہے کہ جو شخص امام ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ مجتہدین کو برا کہے اوران کے علم ودیانت واجتہاد وتقویٰ پر طعن کرے وہ علوم دین سے محض جاہل اور چاند پر تھوکنے کے سبب احمق اوران اولیاء اللہ سے معاداۃ کی وجہ سے حدیث:من عادی لی ولیا فقد بار زالله بالمحاربة: کا مصداق ہے''(اشاعۃ السنۃ جلد۲۲صفحہ۲۸۸)

بٹالوی صاحب، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بدگوئی کرنے والے نام نہاد اہلحدیثوں کے متعلق لکھتے ہیں:

''اب ان میں رفض بھی پھیلتا جاتا ہے بعض تو کھلے بند امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی بدگوئی کرتے ہیں جو رافضیوں کا کام ہے اوراکثر یہ بدگوئی سن کر خوش ہوتے ہیں اس پر رد وانکار متوجہ نہیں کرتے۔اب یہ لوگ سنی اہلحدیث ہونے سے نکلنے کو تیار ہیں خدا خیر کرے''(اشاعۃ السنۃ جلد۲۲صفحہ۲۹۷)

بٹالوی صاحب ہی رقمطراز ہیں:

''جولوگ مدعیان عمل بالحدیث وترک تقلید، ائمہ کبار خصوصاً امام ابوحنیفہ اوران کے صادق اتباع پر بدگمانی رکھتے ہیں اور برا کہتے ہیں ان کو ہم اور ہمارے اساتذہ کرام مولانا سید نذیر حسین صاحب مدظلہ ومولانا محمد اسحاق قدس سرہ چھوٹے رافضی جانتے اور کہہ چکے ہیں''(اشاعۃ السنۃ جلد ۱۱صفحہ۳۳۸)

غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین دہلوی لکھتے ہیں:

''کچھ تو ائمہ مجتہدین کو گالی وغیرہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو حنفی یا شافعی کہنا شراب نوشی اور زنا کاری سے بھی بڑا گناہ سمجھتے ہیں خدا کی پناہ اوراپنے متعلق دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم حدیث پر عمل کرتے ہیں''(فتاویٰ نذیریہ جلد ۱صفحہ۱۸۳)

مجدد آل غیر مقلدیت نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

''سلف نے کہا کہ: لابدلکل فقیہ من سفیہ ینقصہ: ہر فقیہ کا کسی نہ کسی بیوقوف سے لازماً سامنا ہوتا ہے جو اس کی تنقیص کرتا ہے'' (ابقاء المنن صفحہ ۴۷)

نواب صاحب ہی فرماتے ہیں:

''اس زمانہ کی آفات میں سے ایک یہ آفت بھی ہے کہ تقلید کے رد و قدح میں حضرات ائمہ عظام تک طعن و تشنیع کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور یہ ایک صریح بدبختی اور صریح گمراہی ہے''

(مآثر صدیقی صفحہ ۲۲ حصہ چہارم)

امام اہلحدیث وحید الزمان صاحب، بعض اہلحدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

''ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء اللہ اور حضرات صوفیہ کے حق میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات زبان پر لاتے ہیں'' (لغات الحدیث جلد ۲ صفحہ ۹۱ کتاب ش)

وحید الزمان صاحب، اہلحدیث کے ایک گروہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''اگلے ائمہ دین جیسے امام ابو حنیفہ، امام شافعی وغیرہ یا دوسرے اولیاء اللہ یا صوفیہ کرام ہیں ان کی توہین کرتے ہیں'' (تیسیر الباری جلد ۶ صفحہ ۴۹۹ نعمانی کتب خانہ)

غیر مقلدین کی کتاب ''مولانا داود غزنوی'' میں لکھا ہے:

''امرتسر میں ایک محلّہ تیلیاں تھا جس میں اہلحدیث حضرات کی اکثریت تھی وہاں عبدالعلی نامی ایک مولوی امانت و خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے وہ مدرسہ غزنویہ میں مولانا عبدالجبار غزنوی سے پڑھا کرتے تھے ایک بار مولوی عبدالعلی نے کہا کہ ابو حنیفہ سے تو میں اچھا ہوں اور بڑا ہوں کیونکہ انہیں صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں اور مجھے ان سے کہیں زیادہ یاد ہیں اس بات کی اطلاع مولانا عبدالجبار کو پہنچی ۔۔۔۔ فرمایا: مجھے ایسا لگتا ہے یہ شخص عنقریب مرتد ہو جائے گا مفتی محمد حسن راوی ہیں کہ ایک ہفتہ نہ گزرا تھا کہ وہ شخص مرزائی ہو گیا اور لوگوں نے اسے ذلیل کر کے مسجد سے نکال دیا۔ اس واقعہ کے بعد کسی نے مولانا عبدالجبار غزنوی سے سوال کیا حضرت! آپ کو یہ کیسے علم ہو گیا تھا کہ وہ عنقریب کافر ہو جائے گا فرمانے لگے کہ جس وقت مجھے اس کی گستاخی کی اطلاع ملی اس وقت بخاری شریف کی یہ حدیث میرے سامنے آ گئی کہ من عادی لی ولیا فقداذ نتہ بالحرب (حدیث قدسی) جس شخص نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی تو میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔ میری نظر میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ولی اللہ تھے جب اللہ کی طرف سے اعلان جنگ ہو گیا تو جنگ میں ہر فریق دوسرے کی اعلیٰ چیز کو چھینتا ہے اس لیے ایسے شخص کے پاس ایمان کیسے رہ سکتا تھا''

(صفحہ ۱۹۱ بحوالہ تجلیات صفدر جلد ۱ صفحہ ۲۱۳)

میر محمد ابرہیم سیالکوٹی صاحب غیر مقلد اپنی آپ بیتی لکھتے ہیں:

''حضرت امام (ابوحنیفہ) صاحبؒ کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کتب کی ورق گردانی سے میرے دل پر غبار آ گیا جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سورج پوری طرح روشن تھا یکا یک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا گویا ظلمت بعضھا فوق بعض کا نظارہ ہو گیا معاً خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحب سے بدظنی کا نتیجہ ہے اس سے استغفار کرو۔ میں نے کلمات استغفار دہرانے شروع کیے وہ اندھیرے فوراً کافور ہو گئے اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اس نے دوپہر کی روشنی کو مات کر دیا۔'' (تاریخ اہلحدیث صفحہ ۹۵ دوسرا نسخہ صفحہ ۷۹)

محمد حسین بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت امام ابوحنیفہ کو بے علمی وغیر سنی وغیر مجتہد ہونے کا طعن کرنے والے کو سخت جاہل و بے دین خیال کرتا ہوں اور اس کی جہالت کا انجام ارتداد از اسلام خیال کرتا ہوں جس کا میں کئی اشخاص سے مشاہدہ کر چکا ہوں'' (اشاعۃ السنۃ جلد ۲۳ صفحہ ۱۸)

ذیل میں مذکورہ مشاہدہ کا ثبوت ملاحظہ فرمائیں، بٹالوی صاحب ہی لکھتے ہیں:

''یہ بلاء کادیانی کے اتباع کی اکثر اسی فرقہ میں پھیلی ہے جو عامی و جاہل ہو کر مطلق تقلید کے تارک وغیر مقلد بن گئے یا ان لوگوں میں جو نیچری کہلائے جو در حقیقت اس قسم کے غیر مقلدوں کی برانچ (شاخ) ہیں'' (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۵ صفحہ ۱۷۲)

غیر مقلدین کے ''استاد پنجاب'' عبدالمنان وزیر آبادی فرمایا کرتے تھے:

''جو شخص ائمہ دین اور خصوصاً امام ابوحنیفہؒ کی بے ادبی کرتا ہے اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا''

(تاریخ اہلحدیث صفحہ ۴۸۶ دوسرا نسخہ صفحہ ۴۲۸)

آخر میں زبیر علی زئی صاحب کو ان کا اپنا لکھا ہوا کلام یاد دلاتے ہیں:

''میں تو ایک ناقل ہوں، لہذا میرے ان حوالوں پر غصہ نہ فرمائیں بلکہ اپنی اداؤں پر غور کریں''

(الحدیث شمارہ نمبر ۹۰)

۵۸

اپنی اداؤں پر غور کریں

اپنی اداؤں پہ غور کریا بالفاظ دیگر اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا اچھی بات ہے مگر ہم یہ پوچھتے ہیں کہ آپ نے بندہ کی کونسی ادائیں تحریر کی ہیں جن پر غور کرنے کی دعوت دے رہے ہیں؟ اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ اپنے

امام،امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اداؤں پہ غور کریں تو اس کے متعلق دو باتیں عرض خدمت ہیں۔
الف......غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ''غیر مقلد'' تھے خود آنجناب نے مضمون ''سلف صالحین اور تقلید'' تحریر کیا جس میں سلف صالحین کے متعلق یہ دعوی کیا کہ:
''وہ تقلید نہیں کرتے تھے''۔۔۔۔پھر انہی سلف صالحین میں چھٹے نمبر پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نام درج کیا ہے۔(علمی مقالات جلد ۳ صفحہ ۲۶۔۲۹)

امام صاحب جب آپ کے نزدیک تارک تقلید اور آپ کے اسلاف میں سے ہیں تو ان کی اداؤں پہ غور کرنا آپ پر بھی تو لازم ہوا اور آپ نے امام صاحب کی اداؤں پر نہ صرف یہ کہ غور نہیں کیا بلکہ مخالفانہ انداز میں اچھالا ہے کہیں ایسا تو نہیں؟ دیگراں را نصیحت خود را فضیحت۔
ب......آپ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق جو کچھ نقل کیا ہے اس کی حقیقت ہم پچھلے صفحات میں نقل کر چکے ہیں اس کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔
۱......آپ نے نقل کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مجتہد نہ تھے۔۔۔۔ہم نے حاشیہ نمبر ۵۲ میں قریباً ایک درجن غیر مقلد علماء کی زبانی تحریر کیا کہ امام صاحب مجتہد تھے اور حاشیہ نمبر ۳۲ میں اشاعۃ السنۃ جلد ۲۲ صفحہ ۲۸۸ سے محمد حسین بٹالوی کی عبارت نقل کی کہ جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مجتہد ہونے پر اعتراض کرے وہ جاہل اور احمق ہے اور حاشیہ نمبر ۵۴ میں اشاعۃ السنۃ جلد ۲۲ صفحہ ۲۸۷ سے محمد حسین بٹالوی کی عبارت منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو غیر مجتہد کہنا جھوٹ و بہتان ہے۔
۲......آپ نے نقل کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ عربی لغت نہ جانتے تھے۔۔۔۔بندہ نے حاشیہ نمبر ۵۳ میں غیر مقلدین کی زبانی اس کا جواب تحریر کیا اور حاشیہ نمبر ۵۴ میں اشاعۃ السنۃ جلد ۲۲ صفحہ ۲۸۷ سے محمد حسین بٹالوی کا فرمان نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر لغت نہ جاننے کا اعتراض محض جھوٹ و بہتان ہے۔
۳......آپ نے نقل کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علم حدیث نہ جانتے تھے۔۔۔۔بندہ نے زبیر علی زئی صاحب سمیت آل غیر مقلدیت کے مسلمات کی روشنی میں اس کا جواب تحریر کیا ہے دیکھئے حاشیہ نمبر ۵۴۔وہاں محمد حسین بٹالوی صاحب کا اقتباس بھی نقل کیا ہے جس میں یہ بات بھی تھی کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر حدیث میں ماہر نہ ہونے کا الزام جھوٹ و بہتان ہے۔
۴......آپ نے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فقہ میں مشہور نہ تھے۔۔۔۔بندہ نے حاشیہ نمبر ۵۵ میں متعدد آل غیر مقلدیت کی زبانی ثابت کیا کہ امام صاحب فقاہت میں مشہور تھے بلکہ خود آنجناب (علی زئی صاحب) کا فرمان توضیح الاحکام جلد ۱ صفحہ ۱۸۸ سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فقیہ ہونا راجح ہے اور

وہ مشہور فقیہ تھے۔

زبیر صاحب! آپ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق جو باتیں کیں وہ آل غیر مقلدیت کی مسلمات کے خلاف ہیں اور وکیل اہلحدیث محمد حسین بٹالوی کی تصریح کے مطابق جھوٹ و بہتان اور شیعوں سے سرقہ شدہ مواد ہے۔ دیکھئے حاشیہ نمبر ۵۴۔

جب بات یونہی ہے تو آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ اپنی اداؤں پر غور ہمیں کرنا چاہیے یا آنجناب کو؟

۵۹

محترم! بندہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کو علماء و مجتہدین کی صف سے نکال کر جہلا میں شامل کب کیا ہے، کوئی ثبوت، حوالہ؟

اچھا یہ بتائیں جب آپ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق نقل کیا کہ وہ مجتہد نہ تھے، دیکھئے حاشیہ نمبر ۵۲۔۔۔اور۔۔۔اس کا متن۔ اس وقت آپ کو یاد نہ آیا تھا کہ انہیں مجتہدین کی صف سے نکال کر جہلا میں شمار کیا جارہا ہے؟

ہم یہاں یہ عرض کیے جاتے ہیں کہ اہل علم کو جہلاء میں شمار کرنا غیر مقلدین کی کتابوں میں پایا جاتا ہے مثلاً آل غیر مقلدیت کے شیخ الاسلام اور ہیرو ثناء اللہ امرتسری صاحب کو الفیصلۃ الحجازیۃ صفحہ ۲۷ مشمولہ رسائل اہلحدیث جلد اول میں ''اجہل الناس'' لکھا ہے۔

۶۰

[الف]......امام شافعی رحمہ اللہ کا اعترافی مقلد ہونا نواب صدیق حسن خان غیر مقلد کی کتاب ''الجنۃ صفحہ ۶۸'' سے نقل کیا تھا ان کے اعترافی مقلد ہونے کی تصریح حافظ ابن قیم کی کتاب ''اعلام الموقعین جلد ۴ صفحہ ۲۱۲'' اور محمد حسین بٹالوی صاحب کی کتاب ''اشاعۃ السنۃ جلد ۲۳ صفحہ ۱۲۵ میں ہے: بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا اعتراف تقلید خود ان کی کتاب ''کتاب الام جلد ۳ صفحہ ۱۷ جلد ۷ صفحہ ۹۹ جلد ۶ صفحہ ۱۰۱ پر موجود ہے دیکھئے حاشیہ نمبر ۴۳۔

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ مذکورہ بالا کتب میں حوالہ موجود ہو تو خاموشی اختیار کی جائے اور اگر کوئی دیوبندی اسے نقل کر دے تو اسے ''امام شافعی رحمہ اللہ کو جہلاء میں شمار کرنے'' کا الزام دیا جائے جبکہ الزام دینے والے یہ اصول بھی بتائے ہوئے ہیں کہ:

''میں تو ایک ناقل ہوں، لہٰذا میرے ان حوالوں پر غصہ نہ فرمائیں بلکہ اپنی اداؤں پر غور کریں۔''

[ب]......دوسری بات یہ بھی قابل غور ہے کہ کیا کسی کو مقلد کہنا اسے جاہل کہنے کے مترادف ہے؟

جیسا کہ علی زئی صاحب تاثر دے رہے ہیں۔ اگر جواب نفی میں ہے تو ہم پر الزام غلط ہے اور اگر جواب ہاں میں ہے تو درج ذیل سوالوں کا جواب دیں۔

۱......اس رسالہ میں متعدد مقامات پر بحوالہ یہ بات درج ہے کہ متعدد غیر مقلدین نے صحابہ، امام، محدث یا عالم کو ''مقلد'' کہا ہے تو کیا انہوں نے ان سب کو ''جاہل'' قرار دیا ہے؟

۲......حاشیہ نمبر۔۔۔میں ہم نے متعدد اہلحدیث کے اعترافی مقلد ہونے کو بحوالہ درج کیا ہے تو کیا ان کے متعلق یہ کہنا درست ہوگا کہ وہ ''اعترافی جاہل'' ہیں۔؟

۳......ہمارے اس رسالہ میں اپنے مقام پر یہ بحث موجود ہے کہ متعدد اہلحدیث نے تقلید کو واجب قرار دیا ہے کیا ان کو یہ الزام دیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے جاہل رہنے کو واجب گردانا ہے؟

۴......آپ نے متعدد حضرات کو ''مقلد'' کہا یا تقلید کی نسبت ان کی طرف کی ہے مثلاً شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کو آپ نے ''التقلیدی'' لکھا۔(دین میں تقلید کا مسئلہ صفحہ ۶۹)

اسی طرح نجم اللہ سلفی صاحب کو ذہبی اور البانی کی تقلید کا طعنہ دیا ہے۔

(توضیح الاحکام جلد۲ صفحہ ۱۵۲)

کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ آپ نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور نجم اللہ سلفی صاحب کو ''جاہل'' قرار دیا ہے؟

۵......اگر یہ کہہ دیا جائے کہ جاہل انسان جس جس مسئلہ میں تقلید کرتا جاتا ہے اس مسئلہ میں اس کو کسی قدر علم ہوتا جاتا ہے یعنی تقلید کرنے سے اس کی جہالت میں کافی حد تک کمی واقع ہو جاتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

۶......اگر مقلد جاہل ہوتا ہے تو ''غیر مقلد'' کو تو جاہل نہیں ہونا چاہیے جبکہ غیر مقلدین میں بہت سے لوگ جاہل ہیں، ایسا کیوں ہے؟ (جاری ہے۔۔۔۔)

محترم شیر خان انجم نیازی صاحب

مناظرِ اسلام حضرت تونسوی رحمہ اللہ کے وصال پر

ایک سُورج اور ڈُوبا عالمِ اِسلام کا
ایک دریا اور سُوکھا تونسوی کے نام کا
اِک مسافر اور بچھڑا محفلِ اَحباب سے
عشق تھا جس کو زیادہ سارے ہی اَصحاب سے
ایک ساغر اور ٹوٹا بادۂ پُر نُور کا
ایک عالم اور گزرا جو بہت مشہور تھا
ایک آنسو اور ٹپکا آسماں کی آنکھ سے
اِک ستارا اور ٹوٹا کہکشاں کی آنکھ سے
ایک شاہیں ساری دنیاؤں سے اُونچا اُڑ گیا
وہ ہمارے شہر اور گاؤں سے اُونچا اُڑ گیا
گلشنِ اسلام پر اِک بار پھر ڈاکہ پڑا
مَوت کا بے رحم سا اِک بار پھر آرا چلا
ایک پودے[۱] کے سوا سارا گلستاں جل گیا
آگ میں نانوتویؒ کا اِک دَبستاں جل گیا
تونسوی بھی اپنے یاروں سے وہاں پر جا مِلا
اپنے جیسے بادہ خاروں سے وہاں پر جا مِلا
مظہرؒ و درخواستیؒ قاضی لطیفؒ و سرفرازؒ
جن کی پروازیں تھیں گویا بال و پر سے بے نیاز
آگے بڑھ کر سارے سینے سے لگائیں گے اُسے
اپنی محفل میں محبت سے بٹھائیں گے اُسے
رحمتوں کی بارشیں سب کی لحد پر بار بار
بھیج دے مولا مِرے مالک مرے پروردگار
اپنے بس میں کچھ نہیں آنسو بہانے کے سوا
بے سہارا چھوڑ کر انجم وہ غازی چل بسا

[۱] محقق اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہم العالی